

بھگونت رائے راحت کا کوروی: نایاب مثنویاں

سلطانہ بخش *

تاریخی نقطہ نظر سے اردو کی پہلی مثنوی جس میں داستان کو نظم کیا گیا وہ فخر الدین نظامی کی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ ہے، جو عادل شاہی اور قطب شاہی ادوار کے وجود میں آنے سے بہت پہلے ۸۶۵ھ اور ۸۶۷ھ کے درمیانی زمانے میں لکھی گئی۔ نظامی بہمنی خاندان کا درباری شاعر تھا۔ اس عشقیہ منظوم داستان میں ایک مقامی قصے کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس میں فارسی عربی کے بجائے ہندی الفاظ کی کثرت ہے۔ اس داستان کو ڈاکٹر جمیل جالبی نے بصیرت افروز مقدمے کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ بہمنی دور میں اس کے علاوہ کوئی اور منظوم داستان نہیں ملتی۔

دکن میں عادل شاہی اور قطب شاہی ادوار میں مثنوی ایک اہم سخن کے طور پر ابھرتی ہے اور شاہانہ اظہار کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس دور میں قصے کہانیاں اردو میں ترجمہ ہو رہی تھیں۔ سلاطین کی سرپرستی اور خوش حال و پرسکون ماحول میں معاشرے کا طرز احساس اور رجحان طویل نظموں کی طرف تبدیل ہو رہا تھا جو قصائد اور مثنویوں کی شکل میں نظر آتا ہے۔ ان ادوار میں متعدد مثنویاں فارسی سے ترجمہ کی گئیں۔ گیارویں صدی میں دکنی ادبیات میں اسلامی و ایرانی قصوں کے ساتھ ساتھ مقامی روایات اور کہانیوں کو بھی نظم کیا گیا۔

قطب شاہی دور میں غواصی نے سیف الملوک و بدیع الجمال، طوطی نامہ اور مثنوی مینا ستون تیبی کو نظم کیا۔ وجہی نے مثنوی قطب مشتری اور ابن ناشطی نے مثنوی پھول بن کو منظوم کیا۔ ابن ناشطی کی یہ داستان فارسی کی داستان 'بساتین' کا ترجمہ ہے تاہم اس میں مقامی رنگ بھی ملتا ہے۔

عہد عادل شاہی کی پہلی مثنوی چندر بدن اور مہیار ہے۔ یہ قصہ طبع زاد ہے۔ اس کے علاوہ رستی کا خاور نامہ، صنعتی کی مثنوی قصہ بیہ نظیر، ہاشمی کی یوسف زلیخا، ملک خوشنود نے (سلطان محمد عادل شاہ کی ایماء پر) امیر خسرو کی ہشت بہشت اور یوسف زلیخا کو اردو نظم میں منتقل کیا۔ محمد نصرت نصرتی نے کنور منوہر اور مدد مالتی کے قصے کو گلشن عشق کے نام سے نظم کیا۔ امین دکنی نے بہرام و حسن بانو اور بعد ازاں بوستان خیال، پدم ماوت، اور قصہ بہرام و گل اندام نامی مثنویاں اردو میں ترجمہ کی گئیں۔

* سابق پروفیسر، شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

دہلی میں نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کی تباہی سے خوش حالی و فارغ البالی مفقود اور سکون و آرام نابود ہو چکا تھا۔ ایسے حالات میں اطمینان و فارغ البالی تو درکنار عزت و آبرو بچا کر زندہ رہنا مشکل تھا۔ متعدد نامور شعرا حاتم، آبرو، سودا، میر، نظیر، قائم، میر حسن، مصحفی، مومن، ذوق اور غالب اسی زوال پذیر معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس پر آشوب دور میں مسلسل نظم اور طویل نظم لکھنے کا ماحول نہیں تھا۔ ایسی تصنیفات قلم بند کرنے کے لیے اطمینان اور پرسکون ماحول کی ضرورت ہوتی ہے جو ناپید تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دہلوی شعرا اپنے فنی کمالات کے باوجود قیام دہلی کے زمانے تک منظوم داستان یا طویل افسانوی مثنوی میں کوئی غیر معمولی کارنامہ یا دگار نہ چھوڑ سکے۔ انھوں نے طویل منظوم قصے نہ سہی چھوٹے چھوٹے بہت سے قصے، جگ بیتیاں اور آپ بیتیاں نظم کی ہیں۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بہر طور دہلوی شعرا کے مختصر منظوم افسانے ادب کی تاریخ میں اہمیت رکھتے ہیں۔ یہی دہلوی شعرا جب دہلی کے ناسازگار حالات سے تنگ آ کر فیض آباد اور لکھنؤ پہنچے تو انھوں نے سحرالبیان جیسی شاہکار منظوم داستان یا دگار چھوڑی۔ لکھنؤ کی خوش حالی اور علم و ادب کی قدردانی سے سارے اہل علم و ادب و فنون لکھنؤ میں جمع ہو گئے۔

لکھنؤ اور دہلی دونوں دبستانوں کی افسانوی مثنویوں میں فارسی مثنویوں کی تقلید کا رنگ نظر آتا ہے۔ میر تقی میر، سودا، قائم اور مصحفی نے منظوم افسانوں کی طرف توجہ کی اور اکثر عشقیہ مثنویاں لکھیں۔ میر حسن کی شہرہ آفاق مثنوی سحرالبیان وجود میں آئی۔ اردو میں نظم کی گئی اکثر داستانیں فارسی سے ترجمہ کی گئیں۔ فردوسی کے شاہنامہ، فرید الدین کی پنچھی نامہ، مولانا رومی کی مثنوی معنوی، نظامی کے سکندر نامہ، لیلیٰ مجنوں، جامی کی یوسف زلیخا، امیر خسرو کی ہفت پیکر کو ایک بار نہیں بلکہ بار بار اردو نظم کا جامہ پہنایا گیا۔ جن قصوں کو طبع زاد خیال کیا جاتا ہے ان کے بیش تر واقعات بھی فارسی مثنویوں سے ماخوذ ہیں۔ فارسی مثنویوں کو اردو میں نظم کرنے کی روایت تادیر قائم رہی اور اس کے اثرات انیسویں صدی کے اواخر تک جاری رہے۔

اردو ادب نے فارسی ادب سے ایرانی اور اسلامی روایات سے بہت کچھ لیا، ساتھ ہی ساتھ ہندو پاک کے ماحول اور تہذیب و تمدن کے اثرات بھی قبول کیے۔ مثنوی نل دمن کا ہر دل عزیز قصہ ہندوؤں کی مذہبی کتاب مہا بھارت سے لیا گیا ہے۔ دکنی مثنویوں میں مثنوی کدم راؤ پدم راؤ، مثنوی طوطی نامہ، کنور منوہر اور مدھما لنتی، چندر بدن اور مہیار اور پدماوت میں ہندوستانی موضوعات، لوک کہانیاں اور مقامی روایات کو نظم کیا گیا ہے۔ یہ تمام مثنویاں اپنے قصوں کی مقبولیت کی وجہ سے کئی صدیوں تک شعرا اور نثر نگاروں کی پسندیدہ رہیں اور متعدد بار ان قصوں کو مختلف زبانوں بہ شمول اردو کے نظم و نثر میں لکھا گیا۔ بھگونت رائے راحت کا کوروی نے بھی فارسی مثنوی کو اردو نظم میں منتقل کرنے اور اپنے پسندیدہ قصوں پر مبنی مثنویوں کو اردو نظم کا جامہ پہنانے کی روایت کو برقرار رکھا۔

لالہ بھگونت رائے راحت قصہ کا کوروی نوائے لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ ان کا شمار قصہ کا کوروی کے رؤسا میں

ہوتا تھا، ان کے والد منشی دین دیال رئیس شہر تھے۔ راحت فارسی کے جید عالم تھے اور فارسی میں شاعری بھی کرتے تھے۔ السنہ اسلامیہ میں آپ کو پوری فضیلت اور اردو، فارسی دونوں زبانوں پر قدرت حاصل تھی۔ صاحب علم و فضل اور فن سخن میں اچھی مہارت رکھتے تھے۔ انداز سخن شائستہ تھا۔ خوش گوشا عر تھے۔ نازک خیال اور طبیعت دار شخصیت کے مالک تھے۔ راحت نے اپنی سخن دانی کا ذکر اپنی مثنوی نل دمن کی سبب تالیف میں کیا ہے کہ:

جہاں میں جو رہتے ہیں سخن ور انھوں پر خوب ہے یہ حال اظہر
کہ پہروں فکر میں جب پیچ کھاوے تو شاید ایک مصرع راست آوے
جگر جب خاک ہو جاتا ہے جل کر سخن کا تب چمک نکلے ہے جوہر
اگر چہ نکتہ چینی سہل ہے کار مگر ہے شعر گوئی سخت دشوار^۱

شاعری میں راحت کو آغا حسن امانت لکھنوی سے تلمذ تھا^۲۔ تاہم اس میں اختلاف رائے بھی ہے۔ لیکن امانت کے کلام میں بعض اوقات ضمنی طور پر ان کے عقائد، حالات اور واقعات کا سلسلہ بھی مل جاتا ہے۔ اس قبیل کی غزلوں میں ایک جس میں کچھ شاگردوں کے نام ہیں اس کے چوتھے شعر میں راحت کا ذکر ہے:

غم دوست ہے دل رنج سے راحت ہے جہاں میں
فرحت کا سر انجام ہے آزار امانت

اور غزل کا آخری شعر:

کچھ تھوڑے سے شاگردوں کے نام اس میں ہوئے نظم
دیکھو بفرست سوئے اشعار امانت^۳

خواجہ عشرت لکھنوی نے بھی ”راحت منشی بھگونت رائے ولد منشی دین دیال کا کوروی کو شاگرد سید آغا حسن امانت لکھنوی بتایا^۴۔ سید رفیق مارہروی راحت کو شاعر بے بدل کہتے ہیں۔ انھیں شاعر کے مفصل حالات کا علم نہیں۔ تاہم وہ یہ جانتے تھے کہ راحت ”آغا حسن امانت لکھنوی سے شاعری میں مشورہ کرتے تھے“^۵۔ منشی دہی پرشاد بٹاش نے اپنے تذکرے میں ”راحت تخلص بھگونت رائے ولد دین دیال قصبہ کا کوروی، ضلع لکھنوکو شاگرد امانت“ بتایا ہے^۶۔

تذکرہ ہندوؤں کا فارسی ادب میں یوگدان میں درج ہے کہ ”منشی بھگونت رائے راحت ولد منشی دین دیال کاستھ ساکن قصبہ کا کوروی ضلع لکھنو، شاگرد جناب حسن امانت لکھنوی“^۷۔ تمام مشاہیر ادب تذکرہ نگاروں نے لالہ بھگونت رائے راحت کو امانت کی شاگردی سے فیض یاب ہونے کو بیان کیا ہے۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

بھگونت رائے راحت واجد علی شاہ کے زمانہ سلطنت میں حیات تھے۔ راحت نے اپنی مثنوی غنیمت (نگارستان راحت) میں واجد علی شاہ کی مدح میں ۱۱۹ اشعار کہے ہیں۔ ان میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں:

سلطان جہاں و جان عالم
دی حق نے اسے یہ عقل برتر
واجد علی شاہ ہمسر جم
ہے چرخ سخن ور کا اختر
زیبا اسے جو سخن وری ہے
آباد یہ اس سے لکھنو ہے
پیشانی پہ نور انوری ہے
جنت کا نمونہ چار سو ہے ۸

بھگونت رائے راحت کے انتقال کے بارے میں فاضل محقق ڈاکٹر محمد باقر کی تحقیق کے مطابق راحت کے چچا کے پڑ پوتے رائے بہادر پریاگ دیال لکھنوکا ۱۷ اکتوبر ۱۸۴۱ء کا بیان ”چوں کہ منشی بھگونت رائے راحت آنجہانی میرے بزرگ تھے۔ میں آپ کو ضروری معلومات بہم پہنچا کر بہت مسرت محسوس کرتا ہوں۔ ۶۵ سال کے قریب ہوئے کہ شاعر فوت ہوا تھا۔“ فاضل محقق نے منشی بھگونت رائے راحت کے سلسلے میں رائے بہادر پریاگ دیال کے خط سے جو نتیجہ اخذ کیا وہ یہ کہ منشی بھگونت رائے راحت ۱۸۷۶ء کے قریب فوت ہوئے۔ یہ بیان سری رام مولف خمخانہ جاوید کی بھی تائید کرتا ہے، ۹ ڈاکٹر زیندر بہادر سری واستو نے راحت کی تاریخ وفات ”سنہ ۱۸۸۴ء میں بہ عالم ضعیفی انتقال فرمایا“ درج کی ۱۰ خواجہ عبدالرؤف عشرت نے راحت کا ”سنہ ۱۸۸۴ء میں انتقال فرمایا“ تحریر کیا ہے ۱۱۔ سید رفیق مارہروی نے ”سنہ ۱۸۸۴ء میں انتقال کیا“ لکھا ہے ۱۲۔ اندرونی شہادتوں سے بھی یہ امر سامنے آتا ہے کہ راحت کا سال وفات ۱۸۸۴ء قرین قیاس ہے۔ راحت کی مثنوی شہزادہ فتن بنام گلستان راحت کی اشاعت کے بارے میں خود مصنف کے اشعار اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اس مثنوی کی اشاعت سنہ ۱۸۸۰ء تک وہ بہ قید حیات تھے اور اس کی اشاعت نے انھیں بڑھاپے میں مسرت و شادمانی سے ہمکنار کیا۔

یہ تالیف تیری جلا پائے گی
الغرض جب فروش فلک نیک خو
بہت جلد مطبع میں چھپ جائے گی
ہوا غیب سے اس طرح مرثہ گو
نہایت مجھے شادمانی ہوئی
بڑھاپے میں حاصل جوانی
ہوئی ۱۳

بھگونت رائے راحت کو اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کمال مہارت حاصل تھی۔ ناقدان کی رائے پر انکسار سے اپنے تخلص اور اردو زبان میں اپنا کلام پیش کرنے کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:

جو تھی لفظ ہندی سے توقیر کم
کیا اس لیے میں نے راحت سے ضم
(ہندی۔ اردو)

خدا نے جو دی اس سے توقیر اور
سخن سے جو نا آشنا تھی زباں
بڑی آ برو صورت میر اور
بہت دن سے تھا تنگ تر غنچہ ساں

میں پارس کی لاتا کہاں سے زباں وطن ہے مرا خاص ہندوستان
نہ اردو زباں سے تھا اتنا بے خبر بیاں جتنا کرتے ہیں اہل ہنر
اسی کی عنایت کا ہے یہ ظہور ہوا جس سے مشہور نزدیک و دور ۱۴

راحت کی ذاتی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات حاصل ہوئیں۔ ”راحت کے چچا کے پڑپوتے رائے پریاگ دیال کے مطابق راحت کے صرف ایک لڑکا تھا جو جوانی میں فوت ہو گیا۔ اس کا نام امبیکا پرشاد تھا۔ ایک لڑکی تھی جس کی شادی اناؤ میں ہوئی“ ۱۵۔ راحت کی زندگی میں اولاد کے نہ ہونے سے جو خلا پیدا ہوا، خود راحت نے اپنی مثنوی شہزادہ فتن بنام بوستان راحت کی طباعت کے سلسلے میں اپنی حسرت کا اظہار کیا۔ تاہم انھیں اپنے بھتیجے شیو دیال کی اعانت سے اطمینان کا احساس ہوا:

ہوس تھی کہ ہم صورت نل دمن بنے طبع سے یادگار زمن
سدا حسرت آلودہ تھی آرزو کہ موتی مرے ہوں نہ بے آبرو
نہ ہمد نہ ہم جم نہ لخت جگر نہ فرزند دل بند نور نظر
اسی فکر و تشویش میں یک بیک ہوا مژدہ گو یوں سروش فلک
کہ نامی بھتیجا ترا شیو دیال ازل سے ہے خوش خلق و فرخ خصال
بفضل خدا آج آئینہ سماں ترے گھر میں موجود ہے قدر داں
یہ تالیف تری جلا پائے گی بہت جلد مطبع میں چھپ جائے گی ۱۶

راحت کے برادرزادہ شیو دیال نے ان کی مثنوی شہزادہ فتن کی طباعت کی ذمہ داری ۱۸۸۰ء میں نول کشور، کانپور سے شائع کر کے پوری کی، جس نے راحت کو ضعیفی میں اطمینان قلب عطا کیا۔

راحت کی تصنیفات کے متعلق مختلف تذکرہ نگاروں کے بیانات سامنے آتے ہیں۔ دیہی پرشاد بٹاش نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ ”مثنوی زہرہ و بہرام اور مثنوی نل دمن ان کی تصنیفات میں ہیں ۱۷۔ خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کا بیان ہے کہ ”بھگونت رائے راحت کا کوروی مصنف نل دمن اردو، مثنوی غنیمت اردو، مثنوی مدھ مالتی، مثنوی زہرہ و بہرام، اور بوستان راحت ہیں“ ۱۸۔ سید رفیق مارہروی نے اپنے تذکرے میں راحت کی تصانیف میں مثنوی ”زہرہ و بہرام، نل دمن اور مثنوی سوز عاشقانہ آپ کی یادگار ہیں“ کا ذکر کیا ہے ۱۹۔ لالہ سری رام نے راحت کے بارے میں یہ بیان کہ ”آپ نے مثنوی زہرہ و بہرام اور مثنوی نل دمن لکھی تھیں جواب کم یاب ہیں۔ بصد تلاش ایک مثنوی سوز عاشقانہ دستیاب ہوئی۔ جس کا انتخاب ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے ۲۰۔

ان تمام بیانات میں صرف خواجہ عشرت نے راحت کی ”مثنوی غنیمت“ اردو کا ذکر کیا ہے۔ راحت نے محمد اکرام

کجباہی کی مثنوی کا ترجمہ نگارستان راحت غنیمت ترجمہ مثنوی کے نام سے کیا۔ محمد اکرام کجباہی کی مثنوی کا نام نیرنگ عشق ہے۔ راحت کی مثنوی اردو میں مطبع نامی لکھنؤ سے بار اول ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی۔ (یہ مطبوعہ نسخہ راقم کی ملکیت ہے)۔ راحت کی مثنوی غنیمت کا ذکر ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے نگارستان الف کے نام سے کیا^{۲۱}۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے نگارستان راحت کے نام سے راحت نے محمد اکرام غنیمت کجباہی کی مثنوی کا ترجمہ کیا تھا۔ کجباہی کی مثنوی کا نام نیرنگ عشق ہے^{۲۲}۔ ”پریاگ دیال نے گلزار نسیم، بوستان راحت اور گلستان راحت لکھی اور شائع کیں“^{۲۳}۔ راحت نے اپنی ان تمام منظوم مثنویوں کا ذکر جو مختلف اوقات میں زیور طبع سے آراستہ ہوتی رہیں۔ اپنی تصنیف بوستان راحت مطبوعہ ۱۸۸۰ء کے صفحات ۵ اور ۶ پر کیا ہے۔ راحت کی دی ہوئی ترتیب اس طرح ہے:

گیا خار خار الم مجھ کو بھول	کھلے گلشن دل میں معنی کے پھول
کیا حق نے مقبول میرا سخن	کہ مطبوع عالم ہوئی تل دمن
غنیمت کی تھی مثنوی دلکشا	لڑی اس سے جو میری طبع رسا
ہوئی وہ بھی مطبوع اہل تمیز	کہ ہے ذکر شاہد سے ہر دل عزیز
ملی اوس سے جو دل کو فرحت کمال	پسند آیا بہرام و زہرہ کا حال
اوسے بھی تہہ دل سے منظوم کر	جہان سخن کا ہوا نام در
جو مدھ مالتی نام اک دل ربا	مہارس میں مشہور تھی مہ لقا
منوہر سراندیپ کا اک امیر	ہوا تھا محبت میں اوس کے اسیر
کمال ان کا قصہ تھا خاطر پسند	ہوا نظم وہ بھی بہ طرز بلند
میں لکھتا ہوں اب مثنوی پانچویں	کہ اوروں سے قصہ یہ ہے دلنشین
کیا حق نے گھر بیٹھے بے فکر و رنج	نظامی صفت صاحب پنج گنج

آخری شعر میں راحت نے اپنی پانچ مثنویوں کی تصنیف کے بارے میں اپنے آپ کو نظامی کی طرح صاحب پنج گنج قرار دیا ہے۔ (نظامی کی پانچ مثنویوں میں مخزن اسرار، خسرو و شیریں لیلیٰ مجنوں، ہفت پیکر، اور اسکندر نامہ شامل ہیں) دستیاب مواد کے مطابق راحت کی پانچ مثنویوں کی تاریخ تصنیف اور تاریخ طباعت درج ذیل ہے:

۱۔ مثنوی زہرہ و بہرام، تاریخ تصنیف ۱۲۴۱ھ بمطابق ۱۸۲۵ء قلمی نسخہ، (پنجاب یونیورسٹی، لاہور اور انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی)۔

۲۔ مثنوی دل دمن، تاریخ تصنیف ۱۲۴۲ھ بمطابق ۱۸۲۹ء (مطبوعہ ۱۸۹۸ء مطبع نول کشور، کانپور) (یہ آٹھویں مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی)۔

۳۔ مثنوی کنور منوہر و مدھما لنتی، تاریخ تصنیف قیام ۱۲۴۴ھ بمطابق ۱۸۲۹ء اور ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۲ء کے درمیان لکھی گئی۔

۴۔ نگارستان راحت یہ مثنوی محمد اکرام غنیمت کی فارسی مثنوی نیرنگ عشق کا منظوم ترجمہ ہے۔ تاریخ تصنیف ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۲ء (مطبوعہ ۱۸۹۹ء نامی پریس، لکھنؤ، اول مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔)

۵۔ بوستان راحت قصہ شاہزادہ فتن، تاریخ تصنیف ۱۲۸۴ھ بمطابق ۱۸۶۷ء (مطبوعہ ۱۸۸۰ء مطبع نامی نول کشور، لکھنؤ) بھگونت رائے راحت صاحب علم و فضل اور خوش کلام شاعر تھے اور انھیں فن سخن میں مہارت حاصل تھی۔ ان کی تمام مثنویوں میں ان کا شعری اسلوب دلکش اور سادہ ملتا ہے۔ واقعات کے بیانات میں تسلسل، روانی اور شگفتگی قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ سادہ اسلوب بیان ان کے شعری اظہار کی خصوصیت ہے۔

واجد علی شاہ اختر خاتم سلطنت اودھ ۱۲۶۳ھ بمطابق ۱۸۴۷ء میں تخت نشین ہوئے اور ۱۸۵۶ء میں محروم تخت و تاج ہونے کے بعد کئی ماہ نظر بند رہے۔ ۱۸۵۹ء میں آزاد ہو کر شیا برج میں قیام کیا۔ ۲۱ ستمبر ۱۸۸۷ء کو راہی عالم بقا ہوئے۔ بھگونت رائے راحت اس دور میں مصروف تصنیف و تالیف رہے۔ راحت کی تصنیفات کا جائزہ ان کے تحریر کردہ اشعار میں دی ہوئی ترتیب کے مطابق نہیں بلکہ تاریخ تصنیف کے تسلسل سے لیا جا رہا ہے۔

مثنوی زہرہ و بہرام:

راحت کی پہلی تصنیف مثنوی زہرہ و بہرام کے معلوم چار قلمی نسخے جن میں ذخیرہ شیرانی پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے مثنوی زہرہ و بہرام (ورق ۸۴-۲۱۱) اندراج نمبر ۷۴۳، شیرانی نمبر ۴۵۳، قصہ زہرہ و بہرام اندراج نمبر ۴۴۸۲ اور شیرانی نمبر ۱۴۳۲ اور قصہ زہرہ و بہرام تالیف ۱۱۵۴ھ از صدیق بفرمائش قاضی عبدالنبی، اندراج نمبر ۴۴۰۰، شیرانی نمبر ۱۳۴۹-۲۴ مثنوی زہرہ و بہرام کا قلمی نسخہ نمبر 20 vi ui پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ قصہ زہرہ و بہرام تالیف ۱۱۵۴ھ از صدیق کا قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی کی ملکیت ہے۔ ان تمام نسخوں میں پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے کتب خانے میں محفوظ تالیف شدہ قلمی نسخہ از راحت ان سب میں بہتر ہے۔ اس کی تاریخ تصنیف ۱۲۴۱ھ بمطابق ۱۸۲۵ء ہے۔ راحت نے خود اس مثنوی کے اختتام پر اس کی تاریخ تصنیف لکھی ہے:

جو یہ حال سب عشق کا لکھ چکا خیال آ یا پھر مجھ کو تاریخ کا

تو یہ ہاتھ غیب نے اوس زماں کہا کیا ہی ہے خوب نو داستان ۲۵

”کیا ہی ہے خوب نو داستان“ سے ۱۲۴۱ھ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں۔ نسخے کے آخر میں ترقیمہ درج ہے: ترقیمہ ”تمام شد مثنوی زہرہ و بہرام تصنیف بھگونت رائے ولد دین دیال ابن لاکھ سنگھ قوم کا ستہ سری با ستب ساکن لکھنؤ“

کاکوروی کہ در عہد بادشاہ غازی الدین حیدر خان بہادر دام ملکہ صورت انتظام یافتہ۔ بدستخط رام دہن بہ مقام آگرہ کچہری برمٹ بتاریخ دوم جولائی ۱۸۴۲ء موافق اسادہ ہدی نوی روز شنبہ سمت ۱۸۹۹ صورت اتمام یافت“ ۲۶ راحت کی اس مثنوی کا ذکر بہت سے تذکرہ نگاروں نے کیا جس کی تفصیل پہلے درج کی جا چکی ہے۔ راحت نے اس داستان کی تالیف کا سبب بیان کیا کہ یہ مثنوی ان کے ایک سخن فہم اور خوش کلام شفیق دوست ’شیو غلام‘ کی فرمائش پر انھوں نے یہ داستان نظم کی:

مچھے مثنوی کا نہ کچھ شوق تھا	غزل گوئی کا تھوڑا سا ذوق تھا
میرے اک شفیقوں میں ہیں شیو غلام	سخن فہم رنگیں ادا خوش کلام
یہ فرمایا مجھ سے کہ اے مہربان	کرو داستان کوئی رنگیں بیان
عیز ان کی خاطر تھی مجھ کو کمال	اویں دم بندھا مثنوی کا خیال
غرض تھوڑے عرصے میں کر فکر و غور	کیا میں نے اس داستان کا یہ طور ۲۷

راحت کی یہ مثنوی زہرہ و بہرام ۸۹۶ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں تمام عنوانات فارسی میں ہیں۔ ان تمام عنوانات کو یکجا کر لیں تو پورے قصے کا ڈھانچا سامنے آجاتا ہے۔ اس منظوم داستان کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کیا گیا ہے۔ اس میں مرکزی قصے کے علاوہ ایک قصیدہ ۲۵ اشعار پر مشتمل (ورق ۳-۴ پر)، دو غزلیں سات سات اشعار کی (ورق ۸ اور ۲۸ پر) اور ایک طویل نامہ ساٹھ اشعار پر مشتمل (ورق ۱۱ سے ۱۳ تک) شامل ہے۔ مثنوی کے آغاز میں حمد کا صرف ایک شعر ہے۔ اس کے بعد عشق کی تعریف میں ۲۹ اشعار (ورق ۱ سے ۲ تک) نظم کیے ہیں۔ ان میں شیریں فرہاد، لیلیٰ مجنوں ہل دہشتی اور جہاندار شاہ و مہربانو کے عشق کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد فاضل مصنف کا ”بہرام وزہرہ“ کی داستان لکھنے کا ارادہ سامنے آتا ہے:

غرض ہیں محبت میں پابند سب لکھوں عشق بہرام وزہرہ کا اب
(۱) (ورق)

اور پھر عشقیہ داستانوں کے کرداروں کے الم ناک انجام کا بیان ہے:

عجب کچھ محبت کی تاثیر ہے	جسے دیکھنے پا بزنجر ہے
جو فرہاد نے عشق میں جان دی	فدا جان شیریں بھی شیریں نے کی
کیا قیاس نے جب جہاں سے سفر	گئی جان سے اپنی لیلیٰ گذر
ہو ائل جو عالم میں پا در رکاب	نہ لائی دمن بھی جدائی کی تاب

(۲) (ورق)

زہرہ و بہرام کے اس قصے میں روایتی داستانوں کا سا انداز نظر نہیں آتا۔ خاص طور پر مافوق الفطرت عناصر کی کارفرمائی

سے قصے کی فضا میں حیرت و استعجاب کی کیفیت کا موجود نہ ہونا ہے۔ اس کے باوجود یہ داستان بادشاہ، شاہ زادہ اور وزیرزادی کے کرداروں کی دلچسپ کہانی ہے جس کا مرکزی خیال عشق ہے۔ قصے کا آغاز اس عنوان سے ہوتا ہے۔ ”داستان فرو رفتن بہرام ہاروت وارد چاہ بابل از رہ گزر عشق زہرہ ماہ سیما“ اس کے تحت شاہ زادہ بہرام کے اوصاف حمیدہ اور سرالے کا بیان ہے:

نمک حسن میں اس کے تھا اس قدر	کہ شور قیامت تھا کنعاں کے بچ
حلاوت جو اوس لعل نوشین میں تھی	کہاں پائے آب حواں کے بچ
وہ آنکھیں خماریں جنہیں دیکھ کر	پھریں مست آہو بیاباں کے بچ
حسین اس قدر تھا وہ رشک پری	کہ تھا شور و غل حور و غلماں کے بچ
صفت اس کی راحت کہاں تک لکھوں	کہ تھا طاق ہرفن میں دوراں کے بچ

(ورق ۳-۴)

شاہ زادہ بہرام ہمہ صفت موصوف معلم کی خدمت میں تعلیم حاصل کرنے لگا۔ اسی مکتب میں وزیر کی بیٹی بھی تعلیم حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوئی۔ دونوں جوان ہوئے تو بچپن کا انس محبت میں تبدیل ہو گیا۔ رفتہ رفتہ محبت نے عشق کی صورت اختیار کر لی: عنوان ”ظاہر ہونا عشق بہرام اور زہرہ کا اوپر وزیر کے اور حکم قید کا دینا وزیر کا زہرہ کے تئیں اور افسردہ ہونا زہرہ کا غم مفارقت محبوب میں اور اطلاع ہونا بہرام کو“ (ورق ۷)۔ ان حالات میں وزیر نے اپنی بیٹی کو معلم کے پاس بھیجنا بند کر دیا اور بادشاہ کو سارا ماجرہ بیان کیا۔ درخواست کی کہ بہرام کو زہرہ کے خیال سے باز رکھ جائے۔ شاہ زادہ پریشاں حال چارونا چار دشت گردی کرنے لگا:

جو ہوتا کبھی غم سے وہ بے قرار تو پڑھتا غزل رو کے یہ بار بار

(ورق ۸)

بہرام کو زہرہ کی جدائی بہت شاق گزری۔ وہ بے چین و بے قرار تڑپتا رہا۔ اسی اثنا میں وزیر نے بادشاہ کو ان کے عشق کی تفصیل بتائی: ”اطلاع کرنا وزیر کا کیفیت بہرام و زہرہ کے تئیں اور غضبناک بادشاہ کا ہو کے نکالنا شاہ زادہ بہرام کو اور نامہ لکھنا بہرام کا زہرہ کے تئیں بحالت بے قراری“ (ورق ۱۰)۔ بہرام نے کوئی راہ نہ پا کر گھر سے نکلا اور صحرا کی راہ لی۔ کئی دن تک بے قراری میں زہرہ کا انتظار کرتا رہا۔ بہرام کی بے چینی بڑھتی گئی۔ آخر کار غم سے تنگ آ کر بہرام نے ایک طویل نامہ کے ذریعے زہرہ کو اپنی کیفیت سے آگاہ کیا:

چھٹی جب سے تو مجھ سے اے گلبدن	فلک نے کیا ہے غریب الوطن
وہ مکتب کی باتیں مگر بھولی تو	کدھر اب گئی تیری وہ آرزو

میرا ہجر سے ہے بہت تنگ حال یہاں تک کہ جینا ہوا اب محال
بھلا آکے دم بھر تو ہو ہمکنار کہ گلزار ہو سینہ دانداز
میرے جی کا یہ عشق آفت ہوا کہ عالم میں ناحق کو رسوا کیا
نہ آئے اگر اب میرے پاس تو نہ رکھنا کبھی پھر میری آس تو

(ورق ۱۱-۱۳)

جب زہرہ کو بہرام کا یہ نامہ ملا تو وہ فوراً گھوڑے پر سوار بہرام کے پاس پہنچ گئی۔ لیکن حالات نے انہیں پھر جدا کر دیا۔ عنوان ”مفارقت ہونا بہرام اور زہرہ میں اور آوارہ پھرنا زہرہ کا تلاش میں بہرام کے اور ملاقات ہونا شہزادہ اوس شہر سے“ (ورق ۱۸)۔ زہرہ بہرام کی تلاش میں جگہ جگہ گھومتی آخر کار ایک شہر میں پہنچی۔ وہاں کے شاہزادے نے زہرہ کو مہمان بنالیا۔ زہرہ مردانہ بھیس میں خردمند کے نام سے وہاں ٹھہری رہی۔ لیکن اس شہزادے کو زہرہ کی وضع قطع پر رشک گزرا۔ وہ مختلف طریقوں سے اس کی اصلیت کو معلوم کرنا شروع کیا۔ اس کی تفتیش سے گھبرا کے زہرہ اپنا گھوڑا لے کر نکل گئی اور تلاش محبوب میں دوسرے شہر میں پہنچی۔ وہاں ایک باغبان کے ہاں خردمند نامی تاجر کی حیثیت سے رہنے لگی۔ اس کے حسن و جمال کے چرچے ہونے لگے۔ وہاں کا بادشاہ اس سے ملاقات کا خواہش مند ہوا۔ بادشاہ اپنی بیٹی سے خردمند کی شادی کرنی چاہا۔ زہرہ نے ایک سال کی مہلت مانگ لی تاکہ وہ بہرام کو تلاش کرے۔ کچھ عرصے کے بعد بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ عنوان ”بیٹھنا زہرہ کا تخت شاہی پر اور دعا مانگنا باری تعالیٰ سے وصل محبوب میں“۔ بادشاہ کی وفات کے بعد خردمند یعنی زہرہ کو تخت پر بٹھادیا گیا۔ ادھر بہرام مارا مارا پھرتا ہوا فقیر کے بھیس میں وہاں آ نکلا۔ زہرہ نے اسے پہچان لیا:

پریشاں فقیروں کا ایسا لباس چلا آیا آہستہ زہرہ کے پاس
کہا دیکھ کر اپنے جی میں کہ آہ مگر ہے وہی زہرہ رشک ماہ
پڑی اس سے جس دم بخوبی نگاہ تو ششدر ہوئی دیکھ وہ رشک ماہ
فلک کی نہیں اس میں تقصیر تھی اسی طور سے میل تقدیر تھی
گلے لگ کے آپس میں رونے لگے دلوں کا غبار اپنے دھونے لگے

(ورق ۳۲)

اس طرح دونوں مل گئے۔ زہرہ نے بادشاہ کی بیٹی کو اصل حالات سے آگاہ کر دیا اور بہرام سے اس کی شادی کر دی۔ زہرہ اور شاہزادی دونوں خوش و خرم رہیں:

ہمیشہ شب و روز باہم رہیں جدا اس سے ہرگز نہ یک دم رہیں
خوشی سے کہوں کیا میں زہرہ کا حال ہوئے سرخ مانند گل اس کے گال

کسی ڈھب کا اوس کورہا کچھ نہ رنج کہ تھی سب طرح مالک مال و گنج

(ورق ۳۵)

بہرام کو تخت شاہی عطا کیا اور اس ملک کا بادشاہ بنا دیا۔ قصے کا انجام متاثر کن نہیں تاہم عشق میں ملاپ طرب یہ ہے۔ راحت کی مثنوی زہرہ و بہرام تصنیف ۱۲۲۱ھ سے ۸۷ سال پہلے زہرہ و بہرام کے قصے کو صدیق نے ۱۱۵۴ھ میں نظم کیا اور اس کی کتابت ۱۲۲۴ھ میں ہوئی۔ اس کا ایک قلمی نسخہ نمبر ۷۶-۷۳۱ نمبر ترقی اردو پاکستان، کراچی کی ملکیت ہے۔ یہ نسخہ ۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ سب تصنیف کے سلسلے میں مصنف کا بیان ہے کہ ”ایک دن دوستوں کے حلقے میں بہار دانش پڑھی جا رہی تھی جب پڑھنے والا زہرہ کے عشق و محبت کی داستان پر پہنچا تو دوستوں اور قاضی عبدالنبی نے کہا یوسف زلیخا کی طرح اگر اس قصے کو نظم کیا جائے تو بہت اچھا ہو۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر اس قصے کو اردو نظم میں منتقل کیا۔“

صدیق کے قلمی نسخے میں ندا والی ملک بگالہ کی لڑکی زہرہ اور اس کے ہم سبق بہرام کی داستان عشق بیان کی گئی ہے۔ صدیق کے مطابق اس نے یہ قصہ صرف چار دن میں لکھا:

کیا دن چار میں میں اس کوں تیار ملائے قافیہ کہ بہوت نکرار
سنہ تصنیف کا اشارہ خاتمے کی ابیات میں ہے:

سنہ گیارہ سے تھے اور چوپین اتھا رمضان کا جو شہر احسن

(۱۱۵۴)

کیا صدیق اس میں قصہ اتمام برکت سے نبی صاحب کے اتمام
اس قصے کا آغاز حمد کے اشعار:

بزرگی ہے خدا کے تئیں سزاوار جس نے پیدا کیا کونین سنسار
کیا آسمان پیدا اور زمین کوں شرف خلقت میں دیتا آدمی کوں
جس نے کیے چند سور تارے حکم سے ہیں وہ گردش بچے سارے
ترقیمہ یہ ہے:

من نوشتم صرف کردم روزگارے من نماغم ایں بماند یادگارے
ہر کہ خواند دعا طبع دارم من کہ ایں بندہ گہنگارم

اس قصہ بہرام و زہرہ از دست فقیر حقیر اضعف العباد محمد علی بن عبدو بتاریخ دویم شہر شوال ۱۲۲۴ ہجری اتمام و اختتام یافت ۲۸- زیر تبصرہ قلمی نسخہ بہت خام خط نسخ میں لکھا گیا ہے۔ قرأت میں دشواری پیش آتی ہے۔ اس کے علاوہ املا کی

غلطیاں کافی ہیں۔ مصنف کے حالات زندگی معلوم نہ ہو سکے۔

راحت کی مثنوی زہرہ و بہرام اور صدیق کا منظوم قصہ بہرام و زہرہ یہ دونوں مثنویاں طبع زاد نہیں ہیں بلکہ اس قصے کا ماخذ بہار دانش کے ضمنی قصوں میں سے ایک قصہ ہے۔ داستان جہاندار شاہ و بہرور بانو بہار دانش، کامرزی قصہ ہے۔ شیخ عنایت اللہ کتبہ دہلوی نے فارسی میں بہار دانش ۱۰۶۱ھ بمطابق ۱۶۵۱ء میں لکھی۔ ان کا قصہ طبع زاد نہیں ہے۔ عنایت اللہ کے فارسی نسخے کو فارسی ہی میں کئی لوگوں نے کتابت کی ہے۔ فارسی کے پانچ قلمی نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان کی ملکیت ہیں ۲۹۔ دکن کے حسین خان نے عنایت اللہ کی فارسی بہار دانش کا ترجمہ اپنے دوست عبدالنبی کی فرمائش پر دکنی زبان میں ۱۲۱۳ھ میں منظوم کیا۔ جس کی کتابت ۱۲۵۷ھ میں کی گئی۔ اس کا بھی ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں موجود ہے۔

محمد اسماعیل طیش نے عنایت اللہ کی فارسی ”بہار دانش“ کو ۱۸۰۱ء میں اردو میں منظوم کیا۔ اس قصے کو کئی مصنفین نے اردو نثر اور نظم میں لکھا ہے جس کی فہرست ڈاکٹر گیان چند نے اردو کی نثری داستانیں کے صفحہ ۱۱ پر دی ہے۔ بہار دانش کا قصہ غواصی، ابوالفضل اور ضیاء الدین بخشیش کے طوطی نامہ سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ یہ ایک خیالی داستان ہے جس میں فارسی اور ہندوستانی ضمنی قصوں اور حکایتوں سے مرکزی داستان کو طوالت بخشی ہے۔ ان ضمنی قصوں میں شہر ختن کا شاہ زادہ فتن اور مہربانو، داستان شاہزادہ بہرام و زہرہ دختر وزیر، داستان حسن سوداگرو گوبرنام دختر پارسا، اور داستان سہہ جوان غریب، داستان کام گار شہزادہ، حکایت زن عاقلہ اور حکایت دختر بادشاہ وغیرہ شامل ہیں۔ بہار دانش کی اس داستان کو قصہ در قصہ کی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ جہان دار شاہ کو طوطی مصروف رکھنے اور دل بہلانے کے لیے مختلف ایسے قصے سناتی ہے جن کا انجام طریبیہ ہوتا ہے۔ راحت کاکوروی کے دونوں منظوم قصے زہرہ و بہرام اور شاہزادہ فتن (بوستان راحت) طبع زاد نہیں بلکہ ان کے ماخذ بہار دانش کے ضمنی قصے ہیں۔ جن میں سے ایک کی تائید صدیق مصنف منظوم قصہ زہرہ و بہرام کے سبب تالیف کے بیان سے ہوتی ہے کہ بہار دانش کے ضمنی قصے زہرہ و بہرام کو انھوں نے دوستوں کی فرمائش پر منظوم کیا ۳۰۔ ”قصہ زہرہ و بہرام تالیف ۱۱۵۴ھ از صدیق بفرمائش قاضی عبدالنبی“ کا ایک قلمی نسخہ ذخیرہ شیرانی میں بھی ہے۔ جس کا اندراج نمبر ۴۴۰۰ اور شیرانی نمبر ۱۳۴۹ ہے ۳۱۔

مثنوی نل دمن:

راحت نے فیضی کی شہرہ آفاق فارسی کی مثنوی نل دمن کو اردو میں نظم کیا ہے۔ فیضی کی فارسی مثنوی نل دمن پہلی بار کلکتہ سے ۱۸۳۱ء میں شائع ہوئی۔ فارسی میں اس قصے کو سب سے پہلے اکبر اعظم کی فرمائش پر فیضی نے ۱۰۰۳ھ میں لکھا ۳۲۔ یہ ہر دل عزیز قصہ ہندوؤں کی مذہبی کتاب مہا بھارت سے لیا گیا ہے۔ سنسکرت میں بھی اس قصے کے متعدد

نئے ملتے ہیں لیکن مستند متن مہا بھارت ہی کا ہے۔ اس قصے کا ہندوستان میں اور غیر ملکی زبانوں میں بار بار ترجمہ کیا گیا ہے۔ اردو میں اس قصے کے جتنے نئے ملتے ہیں ان سب کا ماخذ فیضی کی مثنوی ہے۔ اکثر میں کہانی کی بنیاد فیضی ہی کے متن پر رکھی گئی ہے۔ اس قصے کے منظوم نسخوں کی تعداد کافی ہے۔ جن میں:

۱۔ مثنوی ”تل دمن“، میر نیاز علی، دہلوی، متخلص بہ نکہت، قلمی نسخہ، اوراق ۱۱۵، مخطوطہ کتب خانہ رضائیہ، رام پور، ناقص الاخر (۱۲۵۶ھ)

۲۔ نل دمن بھگونت رائے راحت کاکوروی، (قلمی) سنہ تصنیف ۱۲۴۴ھ، مکتوبہ ۱۸۵۶ء، اوراق ۶۶، مخطوطہ لٹن لائبریری، علی گڑھ

۳۔ بہار عشق، میر علی بنگالی، (قبل ۱۸۵۴ء)

۴۔ نل دمن، احمد سراوی، (قلمی) پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور، اوراق ۱۴۵، سنہ کتابت ۲۰۰ھ، غالباً ۱۲۴۰ھ۔

۵۔ نل دمن، رحمن علی بکھنو، (قبل ۱۸۵۴ء)

۶۔ راجا نل، بزبان ہریانہ، از پنڈت موتی لال، چنی لال، یہ کتاب اردو میں دلی سے شائع ہوئی۔

۷۔ راجا نل دمینتی، بزبان ہریانہ، از پنڈت موتی رام شیو چند۔ یہ کتاب بھی اردو رسم الخط میں دلی سے شائع ہوئی۔ ۳۳ نل دمن کے فارسی قلمی نسخے:

۱۔ نل دمن از فیضی ص ۲۶۶، نمبر ۳، ق ۲۷۸

۲۔ نل دمن، فیضی، کاتب حاجی گل محمد، ص ۱۴۳، نمبر ۳، ق ۲۷۹

۳۔ نل دمن، مصنف فیضی، کتابت ۱۱۸۹ھ، ص ۷۸، نمبر ۳، ق ۱۸۷-۳۴

نل دمن از فیضی، فارسی خطی نسخے:

۱۔ ۲۰۸-۱۹۶۵، نستعلیق، سلطان محمد، اصغر ۱۲۰۹ھ، عنوان ہاشنگرف، ص ۲۸۶

۲۔ ۹۲۶-۱۹۵۷، نستعلیق خوش، برائے غلام محمد، بامہر مورخ ۱۲۱۰ھ، ص ۲۸۶، عنوان ہائے شنگرف

۳۔ ۳۶۵-۱۹۶۴، ن م؛ نستعلیق، دیارام، ۱۱۹، پھاگن ۱۸۹۹ب (۱۲۵۹ھ) بروزگار شیر سنگھ، عنوان ہاشنگرف، ۲۸۴

۴۔ ۷۳۶-۱۹۶۸، ن م؛ نستعلیق، فضل احمد بن میاں نمٹس الدین بن محمد بخش عرف کھوکھر، ساکن امین آباد، (بخش

گجرانوالا) ۱۹ محرم، ۱۲۹۰ھ، عنوان ہاشنگرف، ص ۳۵۵۔

۵۔ ۱۳۴۵-۱۹۶۱، ن م؛ نستعلیق، کشور داس بن تاکھر داس اگر والہ شاہ جہاں آبادی، ۱۸ رمضان، (۴) جلوس زاہی

(۱۲۲۱ھ) در بنارس، ص ۳۲۰-۳۵

نل دمن، نثری قصے:

۱۔ نثر میں اس قصے کو سب سے پہلے الہی بخش شوق نے ۱۲۱۷ھ بمطابق ۱۸۰۲ء میں لکھا۔ اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں ہے۔

۲۔ بہار عشق، مصنف مولوی سید نور علی نے ولیم ہنٹر کے حکم سے ۱۲۲۵ھ بمطابق ۱۸۱۰ء میں تالیف کیا۔ اس کا ماخذ فیضی کی مثنوی نل دمن ہے۔ نور علی نے یہ ترجمہ ملخص کیا اور اس کا نام بہار عشق رکھا۔ یہ فورٹ ولیم کالج کا نثری سرمایہ ادب ہے۔ اس قصے کو بہت پسند کیا گیا تاہم طباعت کی منزل تک نہ پہنچ سکا ۳۶۔
راحت کی مثنوی نل دمن اردو کے مطبوعہ نسخے:

۱۔ مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ سے ۱۸۶۹ء، ۱۸۶۸ء، ۱۸۷۶ء میرٹھ سے ۱۸۷۵ء، دہلی سے ۱۸۴۵ء، مطبوعہ کانپور سے؛ ۱۸۶۹ء، ۱۸۷۱ء (یہ نسخے انڈیا آفس لندن میں ہیں)۔ مطبوعہ کانپور سے؛ ۱۸۷۲ء، ۱۸۷۹ء (یہ نسخے برٹش میوزیم میں ہیں) ان کے علاوہ بھی کئی مطبوعہ نسخے شائع ہوئے۔ جن میں مثنوی 'نل دمن' از راحت، مطبوعہ نول کشور، ۴ دسمبر ۱۸۹۸ء کانپور سے آٹھویں مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔ (یہ نسخہ ۱۲۷۵ اشعار (۳۶ صفحات) پر مشتمل راقم کی ملکیت ہے)۔

میر نیاز علی کہتے ہیں کہ نل دمن کے قصے کو نظم کیا۔ ابتدا میں چند اشعار نواب احمد علی خان والی رامپور کی مدح میں ہیں۔ چوں کہ نسخہ ناقص الاثر تھا اس لیے تاریخ تصنیف معلوم نہ ہو سکی قیاساً یہ مثنوی ۱۲۵۶ھ سے پہلے لکھی گئی ہوگی۔ نیز کہتے ہیں کہ قصے کی کوئی مطبوعہ روایت بھی نظر سے نہیں گزری۔ مثنوی کی ابتدا احمد و نعت سے ہوئی۔ اس کے بعد عشق کی تعریف اور پھر قصے کا آغاز ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ قصے کو پوری تفصیل سے نظم کیا اور قصے کا تسلسل برقرار رکھا۔
اردو کے منظوم قصوں میں احمد سراوی کی مثنوی نل دمن ۱۱۴۰ھ میں لکھی گئی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس کا مکمل متن مرتب کیا اور اس تصنیف کی لسانی خصوصیات پر سیر حاصل بحث کی تھی۔ احمد سراوی نے فیضی کی مثنوی کے قصے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ یہ مثنوی کل ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی زبان ابتدائی زمانے کی ہے۔ مثنوی کا آغاز حسب معمول حمد و نعت سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد کشور ہند کی تعریف اور پھر نل کی شورش عشق سے قصے کا آغاز ہوتا ہے مثنوی کے خاتمے پر خزاں کا بیان ہے:

اب باد خزاں چلی چہوں اور پت جھڑ کا بن میں پڑ گیا شور
سبزہ کی شکل نظر نہ آوے ہر باغ کو دیکھ کر ڈر آوے
نل ہو کے اوداس اپنے من میں آ بیٹھا اوداس ہو چمن میں

ڈاکٹر سید عبداللہ کا مرتب کیا ہوا متن اورینٹل کالج میگزین میں بالاقساط ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۳ء تک شائع ہوتا رہا۔
اب اسے کتابی صورت میں کراچی سے ۱۹۷۸ء میں شائع کر دیا گیا ہے ۳۷۔ مثنوی نل دمن کو بھگونت رائے راحت نے

بھی اردو میں ۱۲۴۴ھ میں نظم کیا۔ راحت نے سارا قصہ ۱۶۷۵ء، اشعار میں قلم بند کیا ہے۔ مثنوی کی خصوصیت زبان و بیان کے لحاظ سے سادگی اور حقیقت نگاری کا مرقعہ ہے جس نے مثنوی میں اثر پیدا کر دیا اور کہانی کی دلچسپی قائم رہی۔ یہی وجہ ہے کہ راحت کی مثنوی اپنے زمانے میں خاصی مقبول رہی۔ مطبع نول کشور اور دوسرے مطابع سے ان کی مثنوی کے بیسیوں ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

راحت کی مثنوی نل دمن اور دیگر تصنیفات کا ذکر کئی جگہ ملتا ہے۔ ”عبدالغفور نساخ نے تذکرہ سخن شعراء میں تصریح کر دی کہ یہ مثنوی بھگونت رائے راحت کی نوشتہ ہے“ ۳۸۰- خواجہ عشرت لکھنوی نے ہندو شعرا کے ۶۱ پر، لالہ سری رام نے خمخانہ جاوید میں ص ۳۱۱ پر، سید رفیق مارہروی نے ہندوؤں میں اردو کے ص ۱۴۰ پر، ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اردو کی منظوم داستانیں میں ص ۲۶۶ پر اور ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں میں ص ۵۰ پر راحت کی مثنوی نل دمن کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۴۴ھ بمطابق ۱۸۲۹ء میں نل دمن کی داستان کو راحت نے اردو نظم کا جامہ پہنایا۔ قصے کی ندرت اور دلچسپ انداز بیان کی وجہ سے یہ اردو مثنوی اپنے زمانے میں بہت پسند کی گئی اور بیسیوں مرتبہ شائع ہوئی۔ زیر تبصرہ راحت کی مثنوی نل دمن مطبوعہ نسخہ ۱۸۹۸ء ہے جو ۱۶۷۵ء اشعار پر مشتمل ہے۔ مثنوی کے خاتمے پر آخری شعر سے ظاہر ہے:

گنی میں نے جو میتیں کہہ کے یکسر
ہوئیں گنی میں سولہ سے پچھتر

(ص ۳۶)

راحت نے اس مثنوی کو ۲۸ ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب کا عنوان فارسی میں قائم کیا ہے۔ قصے کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کیا اور حمد کے ۱۱۴ اشعار لکھے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

کروں پہلے ادا حمد کو	بنایا جس نے ہے ارض و سما کو
ہوا میں جس کے ہیں برگ درختاں	زبان بیزبانی سے ثنا خواں
محبت کا ہے عجب گرم بازار	کہ ہیں سودے کے اوس کے سب

خریدار

محبت ہی سے مہر عالم افراز	پھرے ہے شرق تا غرب ہر روز
محبت ہے زمیں سے تا با افلاک	کہ اک ذرہ نہیں ہے مہر سے پاک
محبت کا عجب محکم ستوں ہے	تھا جس سے یہ قصر نیلگوں ہے

۲(ص)

سب تالیف کتاب کے عنوان کے ضمن میں یہ اشعار دیکھیے:

کہ تھا از بس سخن سے ذوق مجکو
سدا تھا مثنوی سے شوق مجکو
جو دیکھا آج کل ہندی کا چرچا
ہوا دل ایک دن مشتاق اس کا
کہ عشق تل جو ہے عالم میں مشہور
کرے ہندی زبان میں اوس کو مذکور
اگر چہ فارسی میں سب بیاں ہے
مگر طول اوسکی ہر اک داستاں ہے
اشارہ دل سے یوں میں نے جو پایا
سخن کا جلد تر دریا بہایا
خدا کے فضل سے ایسا بندھا طور
نہیں کرنا پڑا چنداں مجھے غور
ہوا راحت سے اس کا سب سرانجام
بر آیا دل کا سارا مطلب و کام
(۲ ص)

عنوان ”بیان توصیف مملک ہندوستان و مدح راجہ نل اور نگنیش ملک اوجین“ کے تحت قصہ شروع ہوتا ہے:

عجب یہ ملک ہے روئے زمیں پر
نہیں کوئی ولایت اوس کی ہمسر
نمونہ ہے مگر خلد بریں کا
کہ ہے رتبہ بلند اوس سر زمیں کا
زبس ہے حسن میں یہ ملک نامی
بجا ہے گر کرے کنعاں غلامی
اوسی خطے میں ہے ایک شہر معمور
جسے کرتے ہیں سب اد اوجین مشہور
جو تھا اوس شہر کا ہر دم آساں رام
کہیں تھے ہند میں ہر ایک تل نام
کرے جب اسپ گلوں پر سواری
چلی تھی ہم عنان باد بہاری
جہاں داری میں کیا ہم مسند جم
نہ تھا شوکت میں اسکندر سے کچھ کم
(۳ ص)

عنوان ”آغاز شورش جنوں نل در خواب و بیاں گردن ندیم، حسن دمن از راہ چارہ گری“:

قضا نے آ خرش ڈالا بلا میں
پھنسایا یعنی اک زلف دوتا میں
وہ اک شب عیش میں لیٹا تھا ناگاہ
ہوا پیدا اوسے غم خواہ نا خواہ
جب آدھی رات کا پھر وقت آیا
یکایک خواب نے آ کر ستایا
عجب صورت کی اوسدم نیند آئی
کہ بیداری میں ہرگز کل نہ پائی
ملال ایسا ہوا خاطر میں پیدا
کہ اوس دم سے ہوا الفت کا شیدا
اوٹھے جب گرم تر شعلے جگر سے
خیال آیا محبت کے اثر سے

ہوئی تھی بسکہ پیدا بیکراری
انھیں باتوں میں کاٹی رات ساری
(ص ۴)

ندیوں نے مشورہ دیا اور کہا:

کہ اے عال خرد شاہ جہاں دار
رہے اقبال تیرا دمدم یار
عجائب حسن کا گھر یہ دکن ہے
کہ گرو یوں سے اک رنگیں چمن ہے
مگر اک ماہ رو ایسی وہاں ہے
کہ جس کا مشتری سارا جہاں ہے
بنائی ہے جو دکش زلف سے دام
دمن کہتے ہیں سب اوس پیچ سے نام
راحت نے اس موقع پر دینتی کے حسن اور سراپے کا بیان نہایت خوبی و چابک دستی سے پیش کیا ہے کہ یہاں
جمالیاتی احساس کی فضا میں ہندوستانی رنگ جھلکتا ہے۔

مگر کچھ دن سے وہ شیریں شامل
محبت کی طرف رہتی ہے مائل
(ص ۵، ۶)

عنوان ”فریفتہ شدن نل غائبانہ جمال و فریب دمن و پرسیدن از کیفیت مقام آں غارنگر دلہا و بیان کردن ندیم
سرگذشت او“۔

اوٹھا یا نل نے شور عاشقانہ
ہوا مفتوں کسی کا غائبانہ
ہوا ہے کچھ دنوں میں اوسکا شہرہ
کہ ہے اک خوب صورت اٹک زہرہ
ہوے سب مشتری اوسکے شہنشاہ
ابھی تک بلکہ اوس سودیکی ہے چاہ
مگر ہے ہاتھ آنا اوس کا دشوار
کہ وہ خود اک صنم کی ہے خریدار
(ص ۸)

ادھر دینتی بھی خواب میں عشق کا شکار ہوتی ہے۔ ”بتلا شدن دمن بہ دام عشق نل و خواب و نصیحت کردن دایہ“:

کہ نل جس رات کو بیکل ہوا تھا
دمن کا بھی اوسی ڈھب ماجرا تھا
ہوئی اوس کو یکا یک نل کی یوں چاہ
زلیخا کو ہوئی یوسف کی جوں چاہ
غرض جسکے طرف سے تھی یہ تاثیر
مرقع سے میگا کر اوس کی تصویر
لگی کہنے یہ اکدن اوس سے دایہ
پڑا ہے کس پری کا تجھ پہ سایہ
ہوا آ خر گمان سب کو اسی پر
کہ ہے یہ نازنین مائل کسی پر
(ص ۹)

عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتا۔ ”آگاہ شدن پدر من از فتنہ انگیزی عشق و صلاح جستن از ندیمان و نصیحت کردن بدمن“:

خواصوں میں تھی اک یار دمساز	ہوا ظاہر کسی دن اوسپہ یہ راز
کہ رکھتی ہے دمن سودا کسی کا	سمجھتی کچھ نہیں کہنا کسی کا
مقرر عشق کی ہے اوسپہ تاثیر	کہ ہر دم دیکھتی ہے نل کی تصویر
سنا جس وقت بانو نے یہ احوال	خبر دی جا پدر کو اوسکے فی الحال
پدر کی گفتگو اوسکو نہ بھائی	کدورت اور بھی خاطر میں لائی
نصیحت سے دمن کو دیکھ بیزار	گیا تقدیر پر وہ چھوڑ ناچار

(۹،۱۰ ص)

نل اور دمنیتی دونوں کی بے قراری میں ہنس کی نامہ بری کو ”داستان نل“ میں ملاحظہ کریں:

اسی حالت میں تھا وہ عاشق زار	کہ واں پر آگئے کچھ مرغ اکبار
اگرچہ اوڑگئے سب مرغ رعنا	مگر اوس میں پھنسا اک مرغ دانا
ہوا جس دم نفس میں وہ گرفتار	لگا کہنے سخن یہ کھول منقار
جو چاہے تو خراب اوس پر ی کی	تو دے خدمت مجھے نامہ بری کی
جب اوس نے نل کو یہ مشردہ سنایا	خوشی سے غنچہ دل کو کھلایا

(۱۱ ص)

”نامہ نل بدمن“:

شتابی ہاتھ میں لیے کر قلم کو	لکھا اسطور سے نامہ صنم کو
لقافہ میں شتابی کر کے پھر بند	کیا اوس مرغ کے بازو سے پیوند

عنوان ”سیدن مرغ در شہر بندرے ملک دمن و گزاردیدن نامہ نل و نوشتن جواب نامہ نل متضمن شیفیتگی خود با نل“:

جب آپہونچا دمن کے قصر پر وہ	لگا کرنے رواں پیک نظر وہ
قضارا اوس گھڑی وہ لالہ رخسار	محل میں کر رہی تھی سیر گلزار
ولے وہ نامہ برگشن میں تنہا	وہاں جوں طائر تصویر ہر جا
کہا یہ خط جو بازو پر بندھا ہے	شتابی دیکھ اس میں کیا لکھا ہے
وہاں پر مرغ سے نامے کو لے کر	پڑھا اول سے آخر تک سراسر

سمجھ کر نل کی آخر اضطرابی
لکھا اس نے جواب خط شتابی
(ص ۱۲ تا ۱۳)

”نامہ دمن بہ سوئے نل“:

کہ وہ نامہ جو تھا الفت کا دفتر
نہ رکھتی روبر و اگر نقش تیرا
کیا ہے عشق نے از بسکہ دلگیر
ہوا جس وقت نامہ لکھ کے تیار
اوس سے باندھکر بازو پہ فی الحال
لکھا تھا مشک ازفر سے سراسر
نہایت تنگ ہوتا حال میرا
سراپا بن گئی ہوں غم کی تصویر
نکالا کاکل مشکلیں کا اک تار
کیا اوس مرغ کو بس فارغ البال
(ص ۱۳ تا ۱۴)

عنوان ”رسانیدن نامہ دمن بادل و خبر یافتن پدر دمن نامہ و پیغام و مقرر کردن ساعت شادی برائے دمن“:

جو پایا مرغ نے نامہ پری سے
دیا جس وقت نل کو نامہ یار
دمن کے باپ نے جب یہ سنا طور
زمانے کا بہت ہے حال ابتر
کہا جس روز ہو عالم میں نو روز
رواں ہر اک طرف کر قاصدوں کو
خبر یہ سن کے ہر اک وقت معیاد
پہونچتے تھے وطن سے اپنے دلشاد

عنوان ”رفتن نل بہ شہر دمن بامید وصال با ساز و حشمت و شب در آغوش عروس اقبال کردن دمن“ (ص ۱۴): ”بادل و

باز آمدن نل بشہر خود“:

یکایک دیکھ سر سبزی چمن کی
کیا چلنے کا وہ تیار ساماں
رہے نزدیک جوں جوں شہر بندر
گیا تھا شہر میں کچھ تھوڑی دور
مہیا ہر طرف اسباب عشرت
زبس تھی دلنشین وہ شہ نشین جا
ہوئی نل کو ہوس سیر دکن کی
رہے جس کی صفت میں عقل حیراں
ساتی تھی خوشی بس دل کے اندر
کہ دیکھا اک مکاں شادی سے معمور
کھڑے چاروں طرف ارباب عشرت
ہوا نل اوس جگہ پر رونق افزا

سنا جس دم دمن نے مقدم یار
یہاں بیتاب تھا اس فکر میں تل
ہوئی جس دم نہایت گرم محفل
ادا سے الغرض دامن اوٹھاتی
گلے میں بے تامل ڈال کر ہار
شتابی رسم شادی کی ادا کر
خوشی سے اوس پری کو گھر میں لایا
ہوئی یک بارگی مشتاق دیدار
کہ ہوگی کس طرح مشکل مری حل
دمن نکلی مکاں سے اپنے خوشدل
گئی نزدیک تل کے مسکراتی
دیا سارے رقیبوں کو وہیں خار
چھپی پردے میں پھر وہ ماہ بیکر
مکاں اپنا پری خانہ بنایا

(ص ۱۵-۱۷)

عنوان ”شورش جنوں تل و در باختن ملک و مال بقرعہ کج بازی حریف یعنی برادر خردوزاویہ گزینی بدشت ہمراہ دمن“:

دمن کو لے کے تل جس دن سے آیا
دیا سب سلطنت کا چھوڑ معمول
رہا جب ایک مدت تک یہی حال
جو دیکھا کام اب ہوتا ہے ابتر
کہا اک روز اوسنے تل سے جا کر
اسی سے ہے دل کو بیتابی رنج
لگا کر ملک بازی میں سراسر
گیا جب ہاتھ سے ملک و خزانہ
نکال آئے اوسے اوجہین سے دور
نہیں اوس کے سوا کچھ اور بھایا
اوسی سے بس رہا کرتا تھا مشغول
یکایک پھر گیا سب ملک و مال
کمر بھائی نے باندھی دشمنی پر
کہ تنہا بیٹھتے ہیں آپ آپ آکر
بجا ہے شہ کی خاطر شغل شطرنج
کیا سب ایک ساعت میں برابر
ملا مت کو اوٹھا سارا زمانہ
چمن سے کر دیا بلبل کو مجبور

(ص ۱۷-۱۸)

عنوان ”انداختن تل دام پیرہن بر طائر و پرواز کردن مرغ با پیرہن و ماندن او در صحراے خارزار و پر آفت“: تل دمنیتی کو اپنے ہمراہ لے کر صحرا کی طرف روانہ ہوا۔ دونوں کے جسم پر ایک ایک چادر کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ بھوک اور پیاس سے پریشان، دمن بے حال تھی۔ اسی اثنا میں تل کو کچھ پرندے نظر آئے انھیں پکڑنے کے لیے تل نے اپنی چادر ان پر پھینکی۔ وہ پرندے چادر سمیت اڑ گئے۔

عنوان ”یافتن تل دو ماہی در کنار رودے و باز نہ شدن آنہا دو پیوستن بآب دریا و بقرار شدن تل و دمن از گرسنگی“: تل اور دمنیتی ایک دریا کے کنارے پہنچے۔ جہاں انھیں مچھلیاں ملیں، انھیں آگ میں بھون کر کسی ڈھب سے اشتہا کو کم کیا

جاسکتا تھا۔ نل دریا میں نہانے چلا گیا اور مچھلیاں دمیٹی کو دے گیا:

دمن جوں ہی اوٹھا کر مچھلیوں کو چلی اکبارگی آ گے قدم دو
یکایک ہو گئیں سر نو سے جاندار اوچھل کر گر پڑیں دریا میں اکبار
دمن نے اوس کو جو حیرت میں پایا سراپا ماجرا اپنا سنایا
سمجھ گردش کو اپنی رہے گیا نل کہا اوس گلبدن سے ہاتھ مل مل
یہ ہے خوبی ہماری قسمتوں کی دیکھتا ہے فلک گردش دنوں کی

(ص ۱۸-۱۹)

عنوان ”گذشتن نل دمن در خواب بخیاں گریہ وزاری کردن“؛ ”دمن از جدائی آن یار بیوفائی روزگار یعنی نل“:

کہ ہوتا ہے جدا اب یار میرا رہے تو رات دن غمخوار میرا
کہا اک دن دمن سے کاہے مری جان پھرے گی کب تلک صحرا میں حیراں
مناسب ہے کہ مجھ سے کھنچ کر دل وطن میں جا کے تو ماں باپ سے مل
اگر دنیا میں میں جیتا رہوں گا تو اک دن پھر خوشی سے آملوں گا
دمن اس گفتگو سے غم میں آئی کہا یہ کیا ترے دل میں سائی
وطن سے اب مجھے نسبت کہاں ہے وہاں سے اور ہی راحت یہاں ہے
کہ ہے یہ نازنین بس نازک اندام نہیں پاتی ہے میرے ساتھ آرام
بہی بہتر ہے اس کو مت جگاؤں اسی جا بے کسی میں چھوڑ جاؤں

(ص ۲۰)

چنانچہ نل دمیٹی کو اکیلا چھوڑ کر چلا گیا۔ صبح جب دمیٹی بیدار ہوئی تو اس نے نل کو اپنے درمیان نہ پا کر بہت پریشان ہوئی۔ یہاں مصنف نے دمیٹی کی بے سروسامانی کی کیفیت اور درد و فراق کی اذیت کو دردناک پیرائے میں بیان کیا ہے:

نہ پایا یار کو جس وقت باہم رہی آئینہ ساں حیرت میں ہدم
کدھر جاؤں کدھر ڈھونڈھوں نشان اب خدا جانے گیا ہے وہ کہاں اب
ہوئی جب ڈھونڈھ کے حیراں نہایت لگی کرنے تصور میں شکایت
کہ کیا وحشت ترے دل میں سائی جو کی اک بارگی مجھ سے جدائی
جہاں میں عشق آگے سے ہوا ہے کسی نے بھی کبھی ایسا کیا ہے
تجھے واجب نہ تھا جانا دغا سے خبر کرنا تھا کچھ راہ وفا سے

خدا جانے کہاں وہ سنگدل ہے نہاں کس بت کدے کے متصل ہے
مرے سینے سے تو اے دل نکل جا نکھ اس قالب غمناک میں جا
اسی حالت میں روتے روتے بارے گئی بیتاب دریا کے کنارے

(ص ۲۱۳۲۰)

اسی اثنا میں ایک بڑا لشکر آتا دکھائی دیا۔ دمیثی خوف زدہ ہوئی لیکن لشکر کے سردار نے تسلی دی اور اسے اپنے ہمراہ لے چلے۔ راستے میں ہاتھیوں کے حملے میں سارا لشکر مارا گیا۔ چند برہمنوں کی مدد سے بادشاہ تک پہنچی۔ بادشاہ نے دمیثی کو بڑی عزت سے اس کو اپنے میکے پہنچا دیا۔ ادھر نل دل گرفتہ دمیثی کو سوتا چھوڑ کر بیابان میں نکلا تو ایک جگہ سانپ کو آگ سے بچایا تو اس نے نل کی انگلی پر کاٹ لیا۔

جو دیکھا اس طرح سے اوس کو بیکل کہا اوس نے نہ ہو بے صبر اے نل
نہیں میں نے بھی کی تجھ سے برائی اسی میں ہے تری آخر بھلائی
مبدل میں نے اس سے کر دیا رنگ نہ پہچانے کوئی جس میں ترا رنگ
نکلتی ہے بدن سے میرے ہر سال سے رکھ پاس اپنے ہو کے خوش حال

(ص ۲۴)

الغرض نل اپنی سیاہ رنگت کے ساتھ رت برن کے پاس پہنچا اور گھوڑوں سے متعلق اپنے ہنر کا ذکر کیا۔ رت برن کے پاس نل نے جوئے کا علم سیکھا۔ اسی دوران نل کو دمیثی کا انتظار اور بے چینی کا علم ہوتا ہے وہ رت برن سے دمیثی کے پاس پہنچنے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے۔ چناں چہ:

یہ سن رت برن نے ہو کے ناچار منگائے نل کے دونوں اسپ رہوار
یہ کہہ کر پھر مخاطب ہو کے نل سے بتائے سب عدد شکل رل سے
کیا گھوڑے کو اوس جا سے رواں ہوا رت برن سے آہم عنان پھر

کہا اک آپ سے ہے التجا اور ہنر بتلائیے کوئی نیا اور
رہی کچھ دیر تک تقریر آرا بتایا سب ہنر چوسر کا سارا

(ص ۲۹-۳۰)

عنوان ”ملاقات نل بدمن“:

سحر سے کر کے گھوڑوں کے سبک گام ہوئے بندر میں آ داخل سرے شام

سواری دور سے دیکھی جو آتی اوتر آئی محل سے کھلکھلاتی
خدا کے واسطے اندر بلاوے کسی صورت سے وہ صورت دیکھاوے
یہ کہہ کر نل کو پھر اندر بلایا بہت عزت سے مسند پر بٹھایا
(ص ۳۰-۳۲)

مدتوں بعد دمیثی کا نل سے سامنا ہوا۔ اژدھے کے ڈسنے سے نل کی رنگت سیاہ پڑ چکی تھی اور وہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔ لیکن دمیثی اسے جان گئی تھی۔ تاہم تصدیق کے لیے سوال وجواب کیا۔ پوچھا کہ:

کہا کیوں تن پہ چھائی ہے سیاہی کہا یہ ہے تپ غم کی گواہی
کہا کس کارواں کے ساتھ آیا کہا ریگ رواں کے ساتھ آیا
کہا ہدم ترا کوئی نہیں ہے کہا اب غم سوا کوئی نہیں ہے
ہوئے جب خوب باتوں میں اشارے دلوں کے کھل گئے مضمون سارے
محبت میں ہوئے باطن میں یکساں نئے سر سے کیا پھر عہد و پیماں
نکال اوس سانپ کی کچل کو فی الحال گیا پھر رنگ پیدا آگ میں ڈال
فقط گذرا تھا اکدم بلکہ کچھ کم کہ آ پہونچا وہاں وہ آتشیں دم
سیاہی زہر کی سب کھینچ تن سے کہا اب دے جلا اوس پیرہن کو
سراپا پیرہن سے آ گیا نور سیاہی اوڑ گئی مانند کافور
(ص ۳۲)

دمیثی کے باپ نے سب حال سن کر افسوس کیا اور بڑے لشکر اور اسباب ضرورت دے کر اوجین کے لیے رخصت کیا۔ عنوان ”جنش موکب نل از شہر دمن تخت گاہ“ وہاں سے نل دمیثی کو ساتھ لے کر بڑی شان و شوکت سے لاؤ لشکر کے ساتھ اپنے وطن اوجین پہنچا۔ عنوان ”بگردش قرعہ اقبال نقد باختہ از حریف کج باز گرفتن واورنگ دولت بہ پیرانیہ اقبال آ راستن“ اپنی سلطنت میں پہنچ کر نل نے اپنے بھائی کو کہا:

مجھے گزرے ہوئے کا کچھ نہیں غم کہ زر آگے سے اب بھی کچھ نہیں کم
اوس صورت سے پھر بھی مجھ سے لے جا دیا اسباب میرا مجھ کو دے جا
کہا اوس نے کہ اس سے کیا ہے بہتر چلو کھیلیں خوشی سے مل کے چوسر
اوس محفل میں چوسر کو بچھا کر لگے پھر کھیلنے بازی لگا کر

جو تھا قبضے میں اوس کے ملک و مال کیا قابو میں اپنے نل نے فی الحال

(ص ۳۴)

نل نے اپنے بھائی کو سب مال و دولت بخشی اور رخصت ہوا۔ افسردہ خاطر ملک چھوڑنے کا قصد کیا۔ عنوان ’افسروں گلبرگ حیات نلو دمن از دست پر و خزاں اجل و بنفشہ زار شدن گلستان روزگار‘۔

نل کا مال و دولت سے دل بے زار ہوا۔ اپنے تخت و تاج کو بیٹے کے حوالے کیا اور اکیلا جنگل کی طرف نکل گیا۔ ناتوانی کی حالت میں دمیثی کو بلا کر اس سے آخری رخصت طلب کی اور راہی ملک عدم ہوا۔ دمیثی تڑپ گئی اور اس جنگل سے لکڑی کے تختے اکٹھے کیے۔ باغ کی پھلواری سے ہر قسم کے پھول اور پھولوں سے لدی ٹہنیاں جمع کیں اور پھر:

پڑی تھی لاش عاشق کی جہاں پر گئی ہنستی ہوئی آخر وہاں پر
گلاب و عطر سے پھر لاش نہلا دیا رنگیں کفن پھر اوس کو پہنا
وہاں سے پھر اونھیں تختوں پہ لا کر لیا زانو پہ رکھ سر کو اوٹھا کر
ستی ہونے کا جو ہوتا ہے دستور کیا اک اک بجائے غم دل سے کر دور
دمن کے دل میں جو تھی عشق کی لاگ بدن میں خود بخود بس لگ گئی آگ
زبس اوس سیمتن کو عشق تھا پاک صنم کے ساتھ جل کر ہو گئی خاک

(ص ۳۴-۳۶)

اس الم ناک انجام کے ساتھ مثنوی نل و دمن کے قصے کا اختتام ہوتا ہے۔ راحت کی مثنوی کا خاتمہ المیہ انگیز ہے جب کہ احمد سراوی کی مثنوی کا خاتمہ موسم خزاں کی منظر کشی پر ہوتا ہے جس میں نل کو اوداس دکھایا گیا ہے۔ لیکن راحت نے نل کی موت پر دمیثی کے جذبات اور احساسات کی دردناک کیفیت کا نقشہ اور دمیثی کے سستی ہونے کے واقعہ کو جس انداز سے بیان کیا ہے اس نے کہانی کے انجام کو پرتائیر اور محبت کو امر بنادیا۔

راحت نے مثنوی کے آخر میں مثنوی کی تاریخ تصنیف اور تحریر کردہ کل ابیات کی تعداد اشعار میں رقم کی ہے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ راحت کی یہ مثنوی نل دمن اردو، مطبع نول کشور، کانپور سے ماہ دسمبر ۱۸۹۸ء میں آٹھویں مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔ (یہ نسخہ رقم کی ملکیت ہے۔)

قصہ کنور منوہر و مدھمالتی:

قصہ نل دمیثی کی طرح کنور منوہر اور مدھمالتی کا قصہ بھی ہندوستان کے قدیم کتھک لوک قصوں میں سے ایک ہے۔ نل دمیثی کی طرح اس قصے کو بھی بہت شہرت حاصل ہوئی۔ شیخ منجھن نے ہندی زبان میں مدھومالیتی نامی ایک عشقیہ کہانی لکھی ہے۔ منجھن کی تصنیف کا سال معلوم نہ ہو سکا لیکن بلاشبہ یہ تصنیف ۱۴۹۳ء سے ۱۵۹۵ء کے

درمیان لکھی گئی ۳۹۔ مدھ مالتی سے پہلے قطبین جو جون پور کے بادشاہ حسین شاہ کے دربار سے وابستہ تھے، اودھی زبان میں ”مرگاوتی“ کی کہانی ۹۰۹ھ بمطابق ۱۵۰۱ء میں نظم کی۔ اس میں مثنوی کی طرز پر چند رنگر کے راج کمار اور کنچن پور کے راجا کی بیٹی مرگاوتی کا معاشقہ بیان کیا ہے۔ یہ کہانی ایک تمثیل کی صورت میں پیش کی گئی ہے ۴۰۔ مجھن نے مدھو مالتی کا قصہ قطبین کی ”مرگاوتی“ کے کچھ بعد لکھا ہے۔ مدھو مالتی میں ان کا بلند تخیل اور بیان کی تفصیل دل آویز ہے۔ فطرت کے دوسرے مظاہر اور مناظر کا بیان بھی ملتا ہے۔ مدھو مالتی کی کہانی طویل اور الجھی ہوئی ہے۔ روایت کے مطابق جو پہلے سے چلی آ رہی تھی تمثیلی انداز میں پیش کی گئی ہے۔ دکنی شاعر نصرتی نے اس مشہور قصے کو دکنی زبان میں گلشن عشق کے نام سے منظوم کیا۔ مثنوی گلشن عشق ۱۰۶۸ھ میں نظم کی گئی۔ یہ محمد نصرت نصرتی کی سب سے پہلی اور مشہور تصنیف ہے۔ اس مثنوی کے چار قلمی نسخے انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ گلشن عشق کا قلمی نسخہ نمبر ۳۹۰-۳، صفحات ۱۸۶، سنہ تصنیف ۱۰۶۸ھ جسے انجمن ترقی اردو نے بابائے اردو مولوی عبدالحق کے مقدمے کے ساتھ کراچی سے ۱۹۵۲ء میں شائع کر دیا۔ اس کے ماخذ کے متعلق مقدمے میں لکھا ہے کہ ”یہ قصہ کہاں سے لیا گیا کہیں اشارہ نہیں ملتا۔ صرف اس قدر لکھا ہے کہ اس کے ایک دوست مسمیٰ نبی ابن عبدالصمد نے اس قصے کو لکھنے کی ترغیب دی کنور منوہر و مدھو مالتی ایک فارسی قصہ ہے جس کا سنہ تصنیف ۱۰۵۹ھ ہے اس کے مصنف نے لکھا ہے کہ اس نے اپنے قصے کی بنیاد شیخ مجھن کی ہندی کتاب پر رکھی ہے“ ۴۱۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے بھی اس بیان کی صراحت کی ہے کہ ”بعد کے ایک فارسی نسخے میں جو ۱۰۵۹ھ میں لکھا گیا ہے مصنف نے وضاحت کی ہے کہ اس نے یہ قصہ شیخ مجھن کی ہندی کتاب سے ترجمہ کیا، یہ فارسی مثنوی کا نسخہ برٹش میوزیم میں منشی علی رضا کی بعض دیگر تصانیف کے مجموعے میں شامل ہے“۔ ”مدھو مالتی“ کا ذکر جاسی نے پدمماوت اور عثمان نے چتر اولیٰ میں کیا ہے ۴۲۔

ڈاکٹر گیان چند نے بھی ذکر کیا ہے کہ ملک محمد جاسی کے زمانے میں ”مجھن نے اپنا مشہور ہندی رومان مدھ مالتی لکھا۔ یہ کتاب عرصے سے ناپید تھی لیکن حال میں اسے دریافت کر کے شائع کر دیا گیا ہے۔ اس قصے کو فارسی نظم میں کئی شخصوں نے بیان کیا۔ اس قصے میں راجا بکرم کا بیٹا کنور منوہر راجکمار کی مدھ مالتی کے عشق میں دیوانہ ہے۔“ اس کے بعد مختصر قصہ کا بیان ہے ۴۳۔ فارسی میں اس قصے کے متعدد نسخے ملتے ہیں جن میں:

۱۔ مثنوی مہر و ماہ از عاقل خان رازی عالمگیری سنہ تصنیف ۱۰۶۵ھ (قلمی نسخہ برٹش میوزیم اور انڈیا آفس میں)

۲۔ مثنوی کنور منہر و مدھو مالت، سال اختتام ۱۰۵۹ھ، ترقیمہ میں شیخ نور محمد کی تصنیف بتایا گیا ہے۔

۳۔ مثنوی حسن و عشق از حسام الدین، سنہ تصنیف ۱۰۷۱ھ

۴۔ میکاٹو منوہر از مادھوداس، گجراتی تصنیف ۱۰۹۸ھ (قلمی نسخہ انڈیا آفس)

۵۔ منوہر و مدھو مالا از اصغری (قلمی نسخہ) ۴۴

- ۶۔ مہروماہ، مصنف رازی عسکری، کتابت ۱۰۶۵ھ (قلمی نسخہ) انجمن ترقی اردو پاکستان
- ۷۔ مثنوی حسن و عشق، مصنف حسام الدین حسامی، کتابت فتح اللہ الحسنی، کتابت ۱۰۹۰ھ (قلمی نسخہ) انجمن ترقی اردو پاکستان
- ۸۔ مثنوی ظفر نامہ عشق، از سید مظفر تخلص مظفر مجز و نہ کتب خانہ سالار جنگ، حیدرآباد دکن، دو قلمی نسخے جن میں سے ایک مکتوبہ ۱۲۲۰ھ۔ اس مثنوی کا ایک مکمل خطی نسخہ مکتوبہ ۱۳۱۳ھ، ادارہ ادبیات اردو کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

اردو میں اس قصے کے نسخے:

- ۱۔ گلشن عشق از محمد نصرت نصرتی، منظوم سنہ تصنیف ۱۰۶۸ھ اس مثنوی کے متعدد قلمی نسخے ہندو پاک اور یورپ کے مختلف ذخائر اور کتب خانوں میں موجود ہیں۔ انجمن ترقی اردو پاکستان میں منظوم چار نسخے محفوظ ہیں۔ مطبوعہ نسخے:
- ۱۔ گلشن عشق از نصرتی، مکتوبہ ۱۰۹۳ھ مرتبہ مولوی عبدالحق، ۱۹۵۲ء، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی۔
- ۲۔ گلشن عشق از محمد نصرت نصرتی، مرتبہ سید محمد، حیدرآباد، اعجاز پریس، تاریخ اشاعت (ن م) ۳۶۔
- ۳۔ خواجہ عشرت لکھنوی کا بیان ہے کہ بھگونت رائے راحت کاکوروی مصنف مثنوی نل دمن، مثنوی مدھ مالتی اردو میں بھی لکھی تھی ۴۷۔

راحت خود اپنی مثنوی قصہ شاہزادہ فتن بنام بوستان راحت میں اپنی تمام تصنیفات کا ذکر درج ذیل اشعار میں بیان کرتے ہیں کہ:

کیا حق نے مقبول میرا سخن	کہ مطبوع عالم ہوئی نل دمن
غنیمت کی تھی مثنوی دلکشا	لڑی اوس سے جو میری طبع رسا
ہوئی وہ بھی مطبوع اہل تمیز	کہ ہے ذکر شاہد سے ہر دل عزیز
ملی اوس سے جو دل کو فرحت کمال	پسند آیا بہرام و زہرہ کا حال
اوسے بھی تہہ دل سے منظوم کر	جہان سخن کا ہو نام ور
جو مدھ مالتی نام یک دلربا	مہارس میں مشہور تھی مہ لقا
منوہر سراندیپ کا اک امیر	ہوا تھا محبت میں اوسکی اسیر
کمال اون کا قصہ تھا خاطر پسند	ہوا نظم وہ بھی بہ طرز بلند
میں لکھتا ہوں اب مثنوی پانچویں	کہ اوروں سے قصہ یہ ہے

دلشیں ۴۸

راحت کی دیگر مثنویوں کی طرح مثنوی کنور منوہرو مدھ مالتی بھی زیور طباعت سے آراستہ ہوئی ہوگی۔ تاہم یہ نسخہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس قصے کو مختلف شخصیات نے فارسی اور اردو میں اپنے انداز سے کچھ جزوی تبدیلیوں کے ساتھ نظم کیا ہے۔ سب سے پہلے ایک مسلمان شاعر مجھن نے ہندی میں مدھ مالتی کی کہانی تخلیق کی جو اس کے شعری تخیل کا شاہکار تھی۔ یہ قصہ طویل اور الجھا ہوا بھی ہے لیکن شاعر کے دل آویز بیان نے اسے پرکشش بنا دیا۔ روایت کے مطابق کہانی کو تمثیلی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ راجا سورج بھان کا بیٹا منوہر ایک رات کو اپنے گھر میں سو رہا تھا کہ افسرانیں اسے اٹھا کر مہاراج شہر کی راج کمار کی مدھ مالتی کے تصویر خانے میں رکھ آئیں، منور کی آنکھ کھلی تو اس نے مدھ مالتی کو اپنے سامنے پایا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں تو ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے۔ اور بات چیت کرتے سو گئے۔ افسرانیں پھر راج کمار کو اٹھا کر اس کے گھر رکھ آئیں۔ دونوں جب اپنے اپنے گھروں میں جا گئے تو ایک دوسرے کے فراق میں مضطرب تھے۔ راج کمار مدھ مالتی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور سمندری راستے سے سفر پر روانہ ہوا۔ (یہ سفر بعد کی تصنیفات جتنی کی پیدماوت اور فسانہ عجائب کے سمندری سفر میں ملتا ہے)۔ سمندر میں طوفان کی وجہ سے راج کمار بہتا ہوا ایک جنگل میں جا نکلا جہاں پر چار پائی پر راجا جتر سین کی بیٹی پریمالیتی ہوئی تھی۔ جسے ایک دیوا اٹھا لیا تھا۔ چنانچہ راج کمار نے دیو کو مار کر پریمالیتی کو آزاد کرایا۔ پریمالیتی سے لے کر اپنے باپ کے شہر لائی۔ باپ نے ان دونوں کا بیاہ کرنا چاہا لیکن پریمالیتی نے بتایا کہ اس نے راج کمار کو اپنا بھائی سمجھا اور اس کی محبوبہ مدھ مالتی سے ملانے کا عہد کیا ہے۔ دوسرے دن مدھ مالتی اپنی ماں کے ساتھ پریمالیتی کو پریمالیتی نے مدھ کو منوہر سے ملا دیا۔ ماں کو یہ ملاپ نہ بھایا۔ اس نے منوہر کو اٹھوا کر دوسری جگہ بھجوا دیا اور اپنی بیٹی کو بدعادے کر چڑیا بنا دیا مدھ مالتی چڑیا کے روپ میں ایک شہزادے کی جال میں آ گئی اور اسے سونے کے بنجرے میں بند کر دیا گیا۔ مدھو نے شہزادے کو اپنی پریمالیتی کہانی سنائی۔ شہزادہ اسے لے کر مہاراج نگر پہنچا۔ ماں کے منتر نے مدھ کو پھر سے انسان کا روپ دیا۔ اسی اثنا میں پریمالیتی اطلاع ملی کہ منوہر جوگی کے بھیس میں آیا ہے۔ مدھ مالتی کا باپ پریمالیتی کے پاس جا پہنچا اور دھوم دھام سے دونوں کا بیاہ کر دیا۔ ۴۹۔ یہاں مرکزی کہانی تو اپنے انجام کو پہنچتی ہے لیکن دو ضمنی کردار تارا چند اور پریمالیتی کی شادی سے قصے میں طوالت پیدا کی گئی۔ اصل میں مصنف نے ان دونوں کرداروں کی جدوجہد اور ان کی محبت، خلوص اور بے لوث جذبات کے اظہار کر کے ازل سے محبت کا تسلسل دکھا کر عشق کے جذبے کے دوام کو ثابت کرنا چاہا۔ صوفیوں کے نزدیک یہ ساری کائنات ایسی پراسرار محبت کے رشتے میں منسلک ہیں جس کے سہارے انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کہانی کے سلسلے میں راحت کی مثنوی کنور منوہرو مدھ مالتی کا کوئی خطی نسخہ یا مطبوعہ نسخہ بصدر کوشش کے دستیاب نہ ہو سکا۔ نگارستان راحت

ترجمہ مثنوی غنیمت (یہ عنوان مطبوعہ ۱۸۹۹ء کے سرورق پر ہے)۔

نگارستان راحت کے نام سے راحت نے محمد اکرام غنیمت کجاہی کی فارسی مثنوی نیرنگ عشق کا منظوم ترجمہ

۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۲ء میں اردو مثنوی کی صورت میں منتقل کیا۔ تاریخ تصنیف خود راحت نے مثنوی کے آخر میں لکھی جو مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۹ پر موجود ہے۔ یہ مثنوی پہلی بار مطبع نامی پریس، لکھنؤ سے ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی۔ سنہ طباعت مطبوعہ نسخے کی آخری سطر ہے۔

شیخ محمد اکرام غنیمت تخلص، متوطن کنجاہ، مصاف صوبہ پنجاب، حضرت غوث الاعظم کے ارادت مندوں میں شامل تھے۔ اپنے وقت کے جید عالم اور فارسی کے مشہور شاعر اور انشا پرداز تھے۔ ان کا ایک دیوان، مثنوی نیرنگ عشق، اور انشائے غنیمت یادگار ہیں۔ ان کی فکر انگیز مثنوی ”نیرنگ عشق“ عزیز و شاہد کی داستان عشق پر مشتمل ہے۔ غنیمت کی وفات ۱۱۰۰ھ میں ہوئی ۵۰۔ غنیمت کی اس مثنوی کے کئی قلمی نسخے فارسی میں موجود ہیں:

- ۱۔ (مثنوی غنیمت) نیرنگ عشق، مصنف محمد اکرام غنیمت، کتابت ۱۲۶۲ھ۔
- ۲۔ مثنوی غنیمت، مصنف محمد اکرام غنیمت، کتابت ۱۲۶۲ھ (ص ۷۶-۲۱۵) ۳۵۱۔ نیرنگ عشق (مثنوی) مصنف محمد اکرام غنیمت کنجاہی، سنہ تصنیف ۱۰۹۶ھ، کاتب ضیاء الدین ضیاء شکر الہی شیرازی نقوی، سنہ کتابت ۱۲۱۲ھ ۵۲۔

۳۔ غنیمت نیرنگ عشق داستان عشق بازی شاہد و عزیز است۔ اس کے علاوہ ۸ قلمی نسخے کتابت ۱۱۹۵ھ، ۱۲۲۶ھ، ۱۲۳۹ھ، ۱۲۵۸ھ، ۱۲۶۳ھ، میں اور ۳ نسخے ناقص الاخر و اوسط نسخے موجود ہیں ۵۳۔

اس شہرت یافتہ مثنوی میں ایک عام سی کہانی ہے۔ سرزمین پنجاب کے ایک درویش کے خوب صورت بیٹے شاہد اور حاکم وقت کے بیٹے عزیز کے عشق کا قصہ ہے۔ کوتوال شہر بھی شاہد کے عاشقوں میں سے ہے۔ لوگ شاہد اور عزیز کے باہمی روابط پر انگلیاں اٹھاتے ہیں۔ یہ دونوں شہر سے دور جنگل میں ایک جگہ رہنے لگتے ہیں۔ بعد میں شاہد پنجاب کی سیر کے لیے نکلتا ہے اور ایک گاؤں میں وفانامی خاتون پر عاشق ہو جاتا ہے۔ افغانیوں کا تشدد اور فوج کے چھاپے کے دوران میں شاہد اور وفادونوں گرفتار ہو جاتے ہیں، عزیز شاہد اور اس کی محبوبہ کو قید سے رہائی دلاتا ہے۔ لیکن بعد ازاں شاہد عزیز کو نظر انداز کر کے وفا کے ساتھ نکل جاتا ہے۔ عزیز کو شاہد کی بے وفائی کا بے حد قلق ہوتا ہے اور وہ شاہد کا خیال دل سے نکال دیتا ہے اور خالق حقیقی کی یاد میں مشغول، عشق مجازی سے عشق حقیقی کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ صوفیانہ مسلک کے مطابق عشق مجازی ہی عشق حقیقی کی زربان ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ راحت نے غنیمت کی فارسی مثنوی نیرنگ عشق کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے؛ راحت کی زیر تبصرہ اردو میں مثنوی غنیمت کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوئی۔ حمد باری تعالیٰ کے لیے ۲۹ اشعار قلم بند کیے گئے ہیں۔ حمد کے چند اشعار ملاحظہ کریں:

اے شاہد دل عزیز ہر جاں ہے حمد کا میرے جی کو ارماں

دے میری زبان کو حمد خوانی ہو جس سے بیان خوش بیانی
 ہو طوطی خامہ چرب گفتار شیرینی حمد سے شکر بار
 منقار زبان سے خوش بیاں ہو ہم درد ہزار داستان ہو
 ہر دم دم راستی بھرے وہ سجدے میں ترے جھکا کرے وہ
 (ص ۲ مطبوعہ)

پھر نعت سرور کائنات منظر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ۶ اشعار ہیں۔ اس کے بعد
 عنوان ”مدح بادشاہ جم جاہ واجد علی شاہ والی ہندوستان“ کے تحت ۱۳۳ اشعار ہیں ان میں سے چند اشعار پیش ہیں:

سلطان جہاں و جان عالم واجد علی شاہ ہمسر جم
 دی حق نے اوسے یہ عقل برتر ہے چرخ سخنوری کا اختر
 زیبا اوسے جو سخنوری ہے پیشانی پہ نور انوری ہے
 روشن ہے وہ چہرہ ہمایوں گویا ہے زمیں پہ ماہ گردوں
 (ص ۳-۴)

عنوان ”بیان سکونت خان ذیشان والا مرتبت عالی منزلت صاحب مطیع گلزار اودھ لکھنؤ خدا بخش خان صاحب فرشتہ
 خوخدا بخش خان کے لیے ۱۲۴ اشعار لکھے ہیں:

مشہور جہاں ہے جن کا اخلاص مطیع کے وہی ہیں مہتمم خاص
 ہیں خان سے ملقب و شفا بخش معروف بناری خدا بخش
 کیوں کر نہ کہوں میں شان ذیشان ہیں وقت کے اپنے خانخاناں
 فضل ایزد سے نام ور ہیں گلزار اودھ میں جلوہ گر ہیں
 راحت نہ کر اب سخن سرائی مشکو رہے ان کی سب خدائی
 اللہ کرے مری دعا سے محفوظ رہیں وہ ہر بلا سے
 (ص ۴)

عنوان ”بیان سکونت مولف کا خطہ گلزار پور عرف کا کوروی میں و تعریف حضرات درگاہ شاہ کاظم صاحب قدس اللہ سر العزیز
 و شرح اوصاف ارباب وطن“ اس بیان میں ۱۶ اشعار قصبہ کا کوروی کی تعریف اور درگاہ شاہ عالم کے فیض کا ذکر ہے:

مشاق بلاغت و فصاحت عاصی بھگونت رائے راحت
 کا کوروی ہے مسکن دل آویز مانند گل بہار زر ریز

فیض درگاہ شاہ عالم کر دیتا ہے جابلوں کو عالم
رکھتے ہیں جو علم کا چرچا سرمایہ فیض ہیں سراپا
مستی میں سناؤں عاشقانہ وجہ تالیف ایں فسانہ
(ص ۵)

عنوان ”سب تالیف اس فسانہ رنگیں کا کہ برکت صحبت و ہمنشینی صاحبان عالی ہمت سے اتفاق گریزی سخن کا نہال
قلم زریں رقم سے اوپر تختہ چمن زار کاغذ کے ہوا“ اس طویل عنوان کے تحت مثنوی کی تالیف کا سبب بیان ہے:

ہر چند کہ کہہ گیا ہوں یکسر گزرا ہے جو کچھ نل دمن پر
سیری نہ ہوئی پر ایسے فن سے جی لگ گیا شاہد سخن سے
گزرے ہیں قدیم کے جو شاعر کیا ان سے کہے گا کوئی بہتر
دیکھے جو ندیدہ حقیقت وہ سمجھے یہ مثنوی غنیمت
(ص ۵)

اس کے بعد داستان کا آغاز ہوتا ہے۔ ”پیدا ہونا شاہد و فریب کا ملک پنجاب میں ویتیم ہو جانا اوس در شہوار کا تھوڑے
عرصے میں اور اختیار کرنا صحبت بھگت بازوں کی بے رنگی چرخ ناہنجار سے“:

رنگین میں سناؤں وہ فسانہ مسرور ہو جس سے اک زمانہ
کیا خطہ دلنشین ہے پنجاب جو ہے میزاب معدن آب
اوس خطہ دل نشین کے اندر درویش تھا اک خجستہ پیکر
پتلا تھا جو نور کا وہ اختر تھا مطلع خور کنار مادر
کچھ روز کے بعد پرورش کر گزرے سر سے وہ سایہ گستر
وہ در یتیم اشک پرور مطلق ہوا کچھ دنوں میں بے پر
جب سن ہوا اوس کا دس برس کا خوبی کا ستارہ خوب چکا
تھا طرز جو اوس میں دلبری کا شاہد ہوا نام اوس پری کا
سن کر اوسے تنگدست و بے ساز وارد ہوئے شہر میں بھگت باز
تھا تنگ وہ غنچہ بس کہ زر سے سوکھا تھا غم غذائے تر سے
زر پا کے خوشی سے کھل گیا صاف اوس غول تب سے مل گیا صاف
غولوں نے جو اوس پری کو پایا سب اپنا فریب و فن سکھایا

اک شہر میں ایک دن خدا ساز
پہونچا وہ گروہ فتنہ پرداز
شاہد کا جو حسن تھا دل آویز
ہر کوچہ میں ہو گیا بلا خیز
(ص ۶۵)

عنوان ”عاشق ہونا عزیز نامی پسر حاکم وقت کا سننے سراپاے شاہد دلفریب سے و تصدق ہونا غائبانہ اوپر جمال جہاں آراوس کی کے“:

فارغ غم دل سے اک جگہ پر
بیٹھے تھے کئی جوان برابر
واں ایک جوان خوز ہنرمند
تھا حاکم وقت کا جو فرزند
تھا بسکہ عزیز دل سراسر
نام اوس کا عزیز تھا زباں پر
ایک ان میں جو شائق سخن تھا
انا ہشیار اہل فن تھا
ظاہر تھا جو اوس پہ حال شاہد
چھڑا ذکر جمال شاہد
شیریں لب طوطی شکر خا
شاہد نامی عزیز دلہا

اس کے بعد شاہد کے سراپے کا ۱۳۸ شعار میں بیان ہے (ص ۷۸)۔ عنوان ”دل دینا محتسب کا جمال زاہد فرب شاہد پرو شہر بدر ہونا اوس پری کا حکم حاکم شارع شریف سے اور پھر آنا اوس کا بموجب درخواست عزیز دل افگارئی“:

عاشق جو ہوا عزیز ناکام
کچھ دن میں خبر یہ ہوگئی عام
آ یا گرمی پہ حسن شاہد
جلنے لگے اوس سے شیخ و زاہد
سمجھے کہ یہ شوخ فتنہ پرداز
ہے شرع متیں کا رخنہ انداز
ٹھہرایا کہ محتسب اودھر جاے
فتنے کو نکالے شور و شر جاے
چھوڑا اوسی جا پہ ساز و ساماں
زلفوں کی طرح ہوئے پریشاں
وہ تنغ نگہ کا کھا یاچ کا
دل ہو گیا چور محتسب کا
جاتا رہا ہوش دیں سراسر
غالب ہوئی بے خودی خرد پر
سر پر مرے آپ کا قدم ہے
بگڑا جو ترا یہ ساز و ساماں
مطلب سے ہے یا فقط کرم ہے
القصہ جو محتسب پہ گزرا
پچھتاتا ہوں سخت ہوں پشیمان
قاضی نے جو پایا اوس کو لاچار
تھا حسن سے پر وہ آفت دہر
تنگ آ گیا اوس سے حاکم شہر

بولا کے اسے ابھی نکالو اس سخت بلا کو سر سے نالو
اب حال نہ پوچھیے کچھ اوس کا اوس یار عزیز پر جو گزرا
پھر آ کے مرا عزیز جاں ہو آ رامش جان ناتواں ہو
(ص ۸-۱۰)

عنوان ”بسل ہو جانا عزیز کا رقص شاہد دلارام سے محفل میں نصیحت کرنا واسطے ترک صحبت بھگت بازوں کے“:

دیکھے جو بہم ستا رفتن ماہ شاہد کے ہوئی عزیز کی چاہ
آ راستہ کر کے جشن جم کو پیغام طلب دیا صنم کو
منظور جو تھا نظارہ رقص شاہد سے کیا اشارہ رقص
آ بیٹھ ذرا کہ حسن تیرا وجہ غم دل ہوا ہے میرا
اس پیشہ بد سے کر حذر تو آ وارہ پھر اب نہ در بدر تو
آ باد کر اب دل عزیزاں خاطر میں نہ کھا غم رقیباں
عاشق کی سنی جو اوس نے گفتار لایا لب دل پہ حرف اقرار
(ص ۱۰)

عنوان ”رام ہونا اوس دلفریب کا سننے قصہ شاہ گدا سے ساتھ عزیز کے اور چھوڑ دینا رفاقت بھگت بازوں کی تلقین عاشق
جان باز سے“۔ اس عنوان کے تحت کل ۱۱۲۳ اشعار درج ہیں جن میں سے چند ایک پیش ہیں۔ جن میں شاہ و گدا کا قصہ سننے
کے بعد شاہد عزیز سے آملتا ہے:

یہ سب ہے خلاف پاک بازی میں اوس سے کروں بے نیازی
یہ کہہ کے خوشی سے بے تامل پہونچا وہ برنگ نکہت گل
دل خوش ہے مرا تری وفا سے در گزرا میں قوم بے حیا سے
یہ سن کر برنگ دل وہ دلیر بیٹھا پہلو میں مسکرا کر
قانون و سرود پر جو گزرا آتا نہیں بیان میں وہ اصلا
(ص ۱۲)

عنوان ”نثار ہونا عزیز کا زرو مال سے اوپر شاہد کے و چھپانا اوس کا مکان بے نشاں میں و نکل جانا ساتھ شاہد کے رخنہ
اندازی خواجہ سرائے ناہموار سے“۔

دولت ہوئی حسن کی جو حاصل شادی سے بڑھا عزیز کا دل

خاطر سے ہوا نثار اتنا
بس دے کے زرو متاع مرغوب
آبادی میں تھا جو خوف اغیار
دروازے کا منہ تھا اس قدر تنگ
چھپ کر خود وہاں پر جاتا
جان سوز جہاں یہ بر ملا ہے
آگاہ ہوا جو اوس خبر سے
جا جلد عزیز کی خبر لے
حاکم سے خبر یہ کیا سنائی
چونک اوٹھا جو شور و شر سے یکبار
غم کھو کے وصال دلتاں سے

گھر بار لٹا دیا سب اپنا
اوس گل کو نہال کر دیا خوب
جنگل میں کیا گھر ایک تیار
باری کے سے جس کے نظر تنگ
تنہا کبھی یا اوسے بلاتا
مشک آج تلک کہیں چھپا ہے
احوال پسر کہا پدر سے
قالبو میں متاع رفتہ کر لے
بارود میں آگ پھر لگائی
دیکھا تو ہوا ہے فتنہ بیدار
لی راہ سفر کی وہاں سے

(ص ۱۵-۱۶)

عنوان ”اضطراب کرنا پدر عزیز کا جدائی فرزند سے اور بھیجنا قاصد کو واسطے عذر خواہی کے پاس شاہد کے و درخواست کرنا عزیز کا واسطے سوگند نامہ کے قاصد سے“۔ یہاں عزیز اپنے باپ کو قاصد کے ذریعے یہ پیغام دیتا ہے کہ باپ اگر عہد نامہ لکھے کہ وہ عزیز اور شاہد کو کچھ نہ کہے گا تو وہ واپس اپنے گھر آئے گا۔ باپ نے سنا تو کہا:

سینے سے نہ اب جدا کروں گا
پتلی کی جگہ بٹھاؤں گا میں
جلدی سے اوٹھا کے اوس نے خامہ

بلوا کے نہ پھر دغا کروں گا
پتلی کی جگہ بٹھاؤں گا میں
لکھا خوش ہو کے عہد نامہ

(ص ۱۸)

باپ کے عہد نامے کو ۱۷ اشعار میں بیان کیا گیا ہے جو ص ۱۸، ۱۹ اور ۲۰ صفحے کے نصف پر درج ہیں۔ عہد نامے کے آخر میں باپ نے لکھا:

یہ عہد وفا جو کچھ لکھا ہے
نامے کو پڑھا عزیز نے جب
وہ شوخ بھی دوڑ کر برابر

پتھر کی لکیر سے سوا ہے
کھل اوٹھا خوشی سے غنچہ لب
پابوس ہوا ادب سے جھک کر

قدموں پہ گرا مثال سایا سر قبلہ کے رو برو جھکایا

(ص ۲۰)

عنوان ”جانا شاہد کا واسطے تحصیل ہنر کے مکتب میں بموجب ایمائے پدر عزیز کے“ عزیز کے باپ کا شاہد کو ہنر سیکھنے کے لیے مکتب بھیجنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے اور شاہد کو مکتب بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ سارا بیان ۱۴۲ اشعار میں ظاہر کیا گیا ہے:

بولا پدر عزیز اک دن یہ ماہ ابھی بہت ہے کم سن
کچھ دن کرے یہ حرف خوانی حاصل ہو مذاق نکتہ دانی
تحصیل ہنر ہے عین بہتر انسان کے لیے ہے حسن و زیور
چرچا کرے علم کا تو بہتر آئینہ دل کو ہے یہ جوہر

(ص ۲۰-۲۱)

شاہد کو مکتب بھیجا جاتا ہے لیکن اس کا دل نہیں لگتا اور وہ پنجاب جانے کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ عنوان ”جانا شاہد کا واسطے سیر پنجاب کے وگرنہ زاری کرنا عزیز کا وقت رخصت کے“ اس ضمن میں ۶۴ اشعار قلم بند کیے ہیں۔ ان میں سے چند اشعار پیش ہیں:

بولا یہ عزیز سے کہ اے یار میں کس سے کروں غم اپنا اظہار
ہر وقت غم وطن جگر پر دیتا ہے مجھے خراش نشتر
یاد آتا ہے جب کنار مادر اک سانپ سا لوٹتا ہے دل پر

(ص ۲۲)

سنتے ہی اوڑے عزیز کے ہوش نے دل کو تھی طاقت صبوری
فرقت کو اگر کروں گوارا شیشے پہ گراؤں سنگ خارا
جلد آنے کا کرے جو اقرار ہے مجھ کو قبول چار و نا چار
تھی بسکہ عزیز خاطر یار شاہد نے کیا خوشی سے اقرار
تیار اودھر تھی یوں سواری آنکھوں سے جو چھپ گیا وہ خورشید
بیدم ہوا غم سے ہو کے نومید

(ص ۲۲-۲۳)

عنوان ”مضطرب ہونا عزیز کا جدائی شاہد سے وجانا اوس کا قاصد بن کر طرف پنجاب کے“۔ اس عنوان کے تحت

عزیز کا شاہد کی جدائی میں بے قرار ہو کر قاصد کے بھیس میں پنجاب کا سفر کرنا اور شاہد کو واپس لانے کا بیان ۱۰۰ (ایک سو) اشعار پر مشتمل ہے:

پہنا کے یہ خرقہ گدائی الفت تری یہاں پہ کھنچ لائی
بے ساختہ شان سروری سے مسند پہ بٹھا یا دلبری سے
خلوت میں وہاں سوائے جاناں جانا نہ کسی نے راز پنہاں
دو تین شب اوس کے پاس رہ کر پھر کر دیا کوچ سمت لشکر

(ص ۲۳-۲۵)

عنوان ”پھر آنا شاہد کا مخطہ دلنشین پنجاب سے رونق افروز ہونا محفل عزیز میں ساتھ حسن و لفریب کے“ قصے کے اس حصے میں عزیز شاہد کو پنجاب سے واپس لے آتا ہے:

مطلوب سے مل گیا وہ طالب باہم ملے مثل روح و قالب
رنگیں اوسے بیہرہن پنہا یا آب گل تر سے تن دھولا یا

لیکن شاہد نے شکار کے لیے جانا چاہا۔ عنوان ”جانا شاہد کا صحرا میں واسطے شکار کے وعاشق ہونا وفانامی دلبر پر ایک گانوں میں وخنچیر ہونا ساتھ اوس کے شب خوں حریف ستم گار سے“ مثنوی کا یہ حصہ طویل ہے اور ۱۴۰ (ایک سو چالیس) اشعار پر مشتمل ہے۔ شاہد عزیز سے جدا ہو کر شکار کی غرض سے صحرا کی طرف روانہ ہوتا ہے اور سفر کرتے ہوئے ایک گاؤں میں پہنچتا ہے جہاں وفانامی حسین و جمیل خاتون سے ملاقات ہوتی ہے اور شاہد اس خاتون پر عاشق ہو جاتا ہے۔ خاتون بھی اس کی چاہت کا جواب چاہت سے دیتی ہے۔ شاہد عزیز کی محبت کو بھول کر خاتون کے عشق میں محو ہو جاتا ہے۔ اسی دوران افغانیوں کے تشدد اور فوج کے چھاپوں کی وجہ سے شاہد اور وفانامی خاتون دونوں کو گرفتار کر لیا جاتا ہے:

آ یا جب نصف شب کا عالم غفلت سے ہوا زمانہ بے غم
اک مرد حریف قوم افغاں تھا آگے سے وہ دشمن جاں
لایا فوج گراں وہاں پر مارا شب خوں پر اک مکاں پر
شاہد نہ بچا نہ وہ جمیلہ کچھ پیش گیا نہ عجز و حیلہ

(ص ۳۰)

عنوان ”بے قرار ہونا عزیز کا انتظار شاہد سے و تلاش کرنا اوس کی صید گاہ میں و خبر پانا قید ہونے کی مظلوموں سے و چھوڑا لانا اوس کا بعد جنگ عظیم کے افغانان جفا کار سے“ اس عنوان کے تحت ۹۶ اشعار میں عزیز کا بے قرار ہو کر شاہد کی تلاش میں نکلنا۔ دوران سفر اسے معلوم ہوتا ہے کہ افغانیوں کے تشدد سے بے شمار لوگ زخمی ہوئے اور بہت سوں کو فوج نے

گرفتار کر لیا ہے۔ یہ دل دوزخ میں کر عزیز پریشان ہوتا ہے اور اپنی فوج لے کر شاہد کوزندان سے چھڑانے نکلتا ہے۔ راستے میں جو دشمن ملتے جاتے ہیں وہ عزیز کے سپاہیوں کو دیکھ کر بھاگنے لگتے ہیں، آخر کار:

بھاگے جو عدو وہاں سے یکسر	چھوڑا اسی جا پہ لشکر
زنداں کی طرف گیا شتاباں	تھا قید جہاں وہ ماہ کنعاں
دروازہ دہن تھا اژدہا کا	دوزخ کا نمونہ تھا سراپا
شاہد تھا اسیر حسن پری کا	زندان میں بھی وہ رفیق ہم پا
کھولا جلدی سے قفل و زنجیر	ہاتھوں سے بنا کلید تدبیر
ماتم سے بنی تھی بسکہ سوسن	چروں سے اوتر گیا تھا جو بن
نہلا کے پہنائی چست پوشاک	پھولوں کو کیا غبار سے پاک
ہے کس کی یہ دختر گل اندام	آ شوب جہاں فساد ایام
بولا کہ کہوں زباں سے میں کیا	کھویا ہے اسی نے ہوش میرا
یہ کہہ کے بتایا پھر نہ وہ راز	جو اوس سے تھا عہد الفت و ساز
جب گھر وہ مہ جبیں سدھاری	تیار ہوئی ادھر سواری
شاداں خنداں عزیز فیروز	گھر میں ہوا جا کے رونق افروز

(ص ۳۰-۳۲)

عنوان ”بھینجا شاہد کا عورت مکارہ کو واسطے نکال لانے وفا کے لوٹ آنا اوس کا متاع نام و ننگ کو بہانہ شادی فرزند سے“ شاہد عزیز کی خاطر داری سے بظاہر خوش نظر آتا ہے لیکن اس خاتون کی جدائی میں نہایت بے قرار رہتا ہے۔ اس نے اس خاتون کو حاصل کرنے کے لیے ایک کٹنی کوزر و دولت کا لالچ دے کر اس خاتون کو حاصل کرنے پر مقرر کرتا ہے۔ یہ حصہ نظم ۱۰۸ اشعار پر مشتمل ہے۔ ان میں سے چند اشعار پیش ہیں:

ہر چند وہ شاہد دلارام	رکھتا تھا فقط عزیز سے کام
مرتا تھا ولے غم وفا سے	گھٹتا تھا فراق دلربا سے
دن رات تھی جستجو دوا کی	ہر وقت تلاش تھی وفا کی
آخر ملی اوسکو ایک مکار	داروئے مرض دوائے بیمار
پایا اوس نے جو اوس کو دلخوا	پوشیدہ کہا کہ اے ہوا خوا
اک رشک چمن بہار گلشن	رکھتی ہے قریب یاں سے مسکن

خالق نے دیا ہے حسن زیبا
مرتہا ہوں میں اوس پری پہ ہر دم
تنہا میں نہیں ہوں عاشق زار
اک روز گھر اوسکے چھپ کے جانا
یہ کہہ کے سخن سے کی زبان بند
بس گھر میں پہنچ کے اوس پری کے
یعنی پدر وفا سے اک بار
آخر کسی وقت پا کے قابو
ماں باپ تھے صرف میزبانی
گو شے میں رہا یہ ماتم

مشہور وفا ہے نام اوس کا
کھاتا ہوں جگر پہ نشتر غم
مجھ پر بھی فدا ہے وہ وفادار
در پردہ ادھر نکال لانا
دی بہر نگاہ راز سوگند
کھلی عقدے فسوں نگری کے
مژدہ یہ کیا خوشی کا اظہار
ٹنگی گھر سے وہ رشک آ ہو
گھر لٹ گیا کچھ خبر نہ جانی
چلا نہ سکے زیادہ اوس دم

(ص ۳۳-۳۵)

عنوان ”ماتم کرنا مادر پدر وفا کا اوس بے وفا کے نکل جانے سے آوارہ ہونا دشت و کوہسار میں واسطے تلاش اوس کی کے“ وفا کا گھر سے جانا عزت دار گھرانے کے لیے باعث رنج و دکھ تھا۔ اس سلسلے میں ۶۰ اشعار لکھے گئے ہیں:

روتے تھے کہ اب کدھر جائیں
کیوں کر کریں اس کی پردہ داری
واقف ہوئی بھید سے جو یہ زال
پہونچائے گی ہر جگہ پر اخبار
تھی سب کو مصلحت یہ منظور

بہتر ہے کہ زہر کھا کے مر جائیں
کس طور مٹائیں شرم ساری
بگڑے گی اور یہ صورت حال
چونک اٹھیں گے سارے یار و اغیار
رخصت کیا اوس کو دے کے دستور

(ص ۳۵-۳۶)

عنوان ”رخصت مانگنا شاہد کا عزیز سے واسطے زیارت فقیر کے و نکل جانا اس بہانے سے ساتھ معشوقہ وفانا م کے“ اس بیان میں ۴۴ اشعار لکھے گئے ہیں۔ شروع کے اشعار میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر ہے۔ اس کے بعد شاہد کی بے وفائی سے متعلق کہا گیا ہے:

دنیا میں عبث ہے دل لگانا
شاہد نے وفا سے کھینچا ہاتھ
کیا دشمنی کی عزیز کے ساتھ

جھوٹا ہے سب اس کا کارخانہ
کیا دشمنی کی عزیز کے ساتھ
پھر باتوں سے یوں فسوں گری کی

آیا ہے مرے وطن سے اک پیر ہے جس کے قدم کی خاک اکسیر
کچھ دیر تک ٹھر کے اوس جا منزل کی طرف ہوئے سبک پا
(ص ۳۶-۳۷)

عنوان ”ما تم کرنا عزیز کا فراق شاہد بے وفائیں و عاشق ہونا اور پر جمال جہاں آراے شاہد حقیقی کے“۔ اس عنوان کے تحت مولف نے شاہد کا وفا کے ساتھ فرار ہونے اور عزیز کی محبت سے منہ موڑنے کی وجہ سے عزیز رنج و الم میں مبتلا ہوا اس ضمن میں عزیز کے جذبات کو ۷۲ اشعار میں پیش کیا ہے جس میں ایک غزل بھی شامل ہے:

اوس گل کو کہاں سے ڈھونڈ لاؤں محفل کا چراغ پھر بناؤں
لیکن نہ پتا ملا کسی جا برباد پھرا کئی سراپا
حسرت سے مگر وہ عاشق زار پڑھتا تھا غزل یہ رو کے ہر بار
تو جب سے گیا ہے یار جانی جاتا رہا لطف زندگانی
پھر دل کو سنبھال آ کے راحت کب تک میں کروں گا پاسبانی
القصہ اسی طرح سے کچھ دم تڑپا جو تپ الم سے پیہم
آغاز سے پایا خوش جو انجام شاہد کا لیا نہ پھر کبھی نام
(ص ۳۷-۳۹)

آخری عنوان ”ستائش و نیایش حضرت پاک پروردگار کی کمال فیضان عنایت و کمال عاطفت اوسکی شاہد نظم اس قصہ حال نے حسن انتظام کا پایا اور شامہ مشکلیں سے سراپائے تمامی اس عزیز دلہا کو بسایا“۔ اللہ باری تعالیٰ کے شکر کے بعد مولف نے اس مثنوی کی تاریخ تصنیف قلم بند کی:

راحت نے بخیر کر کے انجام چکا دیا ہر دیار میں نام
دلچسپ عجب ہے یہ فسانہ مدت سے ہے شہرہ زمانہ
جس سنہ میں پڑی تھی اس کی بنیاد بارہ سے پر تھے اڑسٹھ ایزاد (۱۲۶۸ھ)
تھے آخری سال عیسوی سن افروں اٹھارہ سے پہاوں (۱۸۵۲ء)

آخر میں التماس مصنف ہے:

جس جا کہیں کچھ خطا ہوئی ہو بخشش سے کریں معاف اوسکو
خوں ہو گیا فکر سے جگر جب ہیں نکلے یہ لعل بے بہا تب
نیند آئی نئی دو مہینے دو بھر گزرے کئی سال کے برابر

انجم سے لڑا کیے دیدہ تر پیدا کیے آبدار گوہر
ہو جاؤں اب ثار یزدان مشکل ہوئی ساری جس سے آساں
کتاب کا یہ ورق کئی جگہ سے پھٹا ہوا ہے تاہم ٹکڑے ٹکڑے جوڑ کر ”تاریخ نامہ“ کو محفوظ کیا ہے۔ تاریخ تصنیف الہ
شیام سندر صاحب متخلص بہ سرشار، تاریخ تصنیف الہ کا لکھنؤ صاحب متخلص بہ جوش:

بولی رہ لطف سے ہے یاد از حد مرغوب سال ایجاد (۱۲۶۸ھ)
تاریخ تصنیف الہ کنول کرشن عرف مخدوم بخش اظہر، تاریخ تصنیف منشی جواہر سنگھ لکھنوی متخلص بہ جوہر:
مضمون ہائے رنگیں جان راحت پے سال از نگارستان راحت
(۱۲۶۸ھ)

بتاریخ تصنیف الہ شکر پرشاد صاحب متوطن کا کوروی، تاریخ تصنیف منشی بچھن پرشاد صاحب برادر زادہ مصنف:
ندا داد ہاتف رزوے دہان گل باغ اردو کو سال آن (۱۲۶۸ھ)
مثنوی غنیمت معروف بہ نگارستان راحت اول مرتبہ نامی پریس لکھنؤ میں ماہ اگست ۱۸۹۹ء چھپ کر (باقی
کاغذ موجود نہیں ہے یعنی شکستہ ہو کر ضائع ہو گیا ہے)۔ راحت کی مثنوی نگارستان راحت محمد اکرم غنیمت کجاہی کی فارسی
مثنوی نیرنگ عشق کا اردو میں منظوم ترجمہ ہے۔ اس منظوم داستان کے درمیان میں دو غزلیں بھی ہیں۔ مثنوی کے آخری
حصے سے پتا چلتا ہے کہ راحت نے دو مہینے میں پندرہ سو اشعار کی مثنوی مکمل کی تھی:

نیںد آئی نہ دو مہینے دم بھر گزرے کئی سال کے برابر
تعداد غنیمت اس میں بھی ہے سب شعر ہیں پورے پندرہ سے
(ص ۴۰)

راحت کو فارسی اور اردو دونوں زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔ قیاس ہے کہ ان زبانوں میں کمال قدرت ہونے کی وجہ
سے انھوں نے غنیمت کے فارسی اشعار کا لفظی ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ وہ اس میں کامیاب
بھی ہوئے۔ لیکن غنیمت کی فارسی مثنوی کا معیار ادبی لحاظ سے بہت بلند ہے۔ پھر بھی راحت کا ترجمہ بہتر ہے اور کہیں کہیں
ادبیت کی جھلک اپنے شعری حسن کے ذریعے قاری کو محفوظ کرتی ہے۔

بوستان راحت قصہ شاہزادہ فتن:

بہگونت رائے راحت نے مثنوی قصہ شاہزادہ فتن کو بوستان راحت کے نام سے پیش کیا ہے۔ یہ قصہ راحت کا
طبع زاد نہیں ہے یہ مثنوی بہار دانش کے ضمنی قصوں میں سے ایک ہے۔ قصہ یہ ہے کہ شہر فتن کا شاہزادہ ہر روز سیر و شکار
کے لیے دریا پر جایا کرتا ہے۔ ایک روز دریا پر ایسی کشتی جاتے دیکھ لیتا ہے جس پر ایک حسینہ بدن کو ڈھانکے خود کشتی سے

چلا رہی تھی۔ شاہزادہ اس پر عاشق ہو جاتا ہے اور اپنے ساتھ وزیر زادہ، ملاح اور نجار کو لے کر مہربانو کی تلاش میں نکلتا ہے۔ راہ میں ایک پیر مرد کو جو آب حیات رکھتا ہے اسے بھی ہمراہ لیے لیتا ہے۔ ایک جنگل بیابان میں دیو ہلہل کو مار کر اس کی قید سے زمر د پری کو رہا کروا تا ہے۔ زمر د پری کی معیت میں مہربانو کو تلاش کرتے ہوئے حسن آباد پہنچ جاتا ہے۔ بادشاہ کو مہربانو سے شادی کا پیغام دیتا ہے اور شادی ہو جاتی ہے۔ وہاں سے اپنے ملک کی طرف سفر کرنے کے دوران میں ہوشنگ نامی بادشاہ مہربانو کو اغوا کروا تا ہے۔ شاہزادہ فتن کے نجار کا تیار کردہ اڑن کھٹولے کی مدد سے مہربانو کو حاصل کر لیتا ہے اور ملک فتن روانہ ہو جاتا ہے۔ راحت نے یہ مثنوی روایتی انداز میں لکھی گئی ہے۔ ابتدا میں حمد و نعت اور، سبب تالیف بیان کرنے کے بعد مختلف عنوانات کے تحت کہانی کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ حمد باری تعالیٰ کو ۱۳ اشعار میں بیان کیا جن میں سے چند شعر دیکھیے:

بنادے قلم کو مرے یا قدیر	کلم سر طور کا ہم صفر
سراپا تری حمد سے نور ہو	جلی سے شمع سر طور ہو
رقم تیری شان خدائی کرے	سر لوح پہ جبہ سائی کرے
رہے تیری وحدانیت پر گواہ	شہادت کی انگشت ہو یا آ لہ
عطا کر سخن میں مرے فیض عام	رہے حشر تک زندہ راحت کا نام

(ص ۲-۳ مطبوعہ)

عنوان ”نعت سرور کائنات مقرر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم“ کی عقیدت میں ۱۳ اشعار لکھے ہیں:

پس حمد ہے نعت احمد ﷺ ضرور	کہ جس کا ہوا پیشتر خلق نور
وہی باعث ارض و افلاک ہے	بجا شان میں اس کے لولاک ہے
عطا کی خدا نے اسے سروری	اوس پر ہوئی ختم پیغمبری
حقیقت میں مقبول معبود ہے	شنا جس کی قرآں میں موجود ہے
یقین ہے کہ رحمت سے روز جزا	گنہ میرے خالق سے بخشائے گا

(ص ۳)

عنوان ”سبب تالیف اس فسانہ دل آویز کا کہ حسب ایمائے صاحبان عالی شان رونق افروز کا کوروی اتفاق گل افشانی او پر صفحہ قرطاس کے ہوا“ اس بیان میں ۶۰ اشعار لکھے گئے ہیں۔ پہلے مصنف اپنے غم کا اظہار کرتے ہیں اور پر جوش ہو کر کوئی داستان ایسی لکھنا چاہتے ہیں جس سے غم رفتگاں دور ہو۔ اس ضمن میں رؤسائے کوروی کی شخصیات جو سخن فہم ہیں ان کی ایما پر کوئی نیا قصہ دلکش لکھنے کا شغل اختیار کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں:

بیاں کیا کروں اپنا حال حزیں
عزیزوں کے صدمے سے دل چور تھا
بہت دن سے گم تھی کلید سخن
صدادی کہ اے رائے بھگونت رائے
خوانین والا خطاب و سخی
گرامی گھر انتخاب زمن
ہوا ان کا بھی مجھ سے ایما یہی
بہت ان دنوں تھا میں اندوہیں
غم آلودہ و سخت رنجور تھا
بندھا غم سے رہتا تھا قفل دہن
تری رائے پر صا داے نیک رائے
زکی و رضی و سکے علی
محیط کرم آ بروئے سخن
کہ بے شغل ہرگز نہ پہلے گا دل
(ص ۴-۵)

نئی داستان کے آغاز سے پہلے مصنف نے اپنی چار مطبوعہ تصانیف کا ذکر کیا ہے:

کیا حق نے مقبول میرا سخن
غنیمت کی تھی مثنوی دلکشا
ہوئی وہ بھی مطبوع اہل تمیز
ملی اوس سے جو دل کو فرحت کمال
جو مدھ مالتی نام یک دلربا
منو ہر سراندیپ کا اک امیر
میں لکھتا ہوں اب مثنوی پانچویں
کیا حق نے گھر بیٹے بے فکر و رنج
عجائب ہے گلریز یہ داستان
کہ مطبوع عالم ہوئی غل دمن
لڑی اوس سے جو میری طبع رسا
کہ ذکر شاہد ہے ہر دل عزیز
پسند آ یا بہرام و زہرہ کا حال
مہارس میں مشہور تھی مہ لقا
ہوا تھا محبت میں اوس کے اسیر
کہ اوروں سے قصہ یہ ہے دلنشین
نظامی صفت صاحب پنج گنج
بجا ہے کہوں گر اسے بوستان
(ص ۵-۶)

یہاں مصنف بھگونت رائے راحت نے اپنی اس مثنوی کا نام تجویز کر دیا اور اسی نام سے یہ مثنوی طبع ہوئی۔ راحت نے اپنی اس مثنوی کی تاریخ تصنیف قصے کے آخر میں دی ہے:

ملے جب تھے یہ گوہر شاہوار ہزار و دو صد پر تھے ہشتاد و چار

۱۲۸۲ھ

زبان بہر تاریخ کی میں نے بند
کہ گفتار سعدی تھی مجھ کو پسند ۵۴
راحت کی یہ مثنوی تصنیف کے ۱۳ سال بعد ۱۲۹۷ھ بمطابق ۱۸۸۰ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ (یہ مطبوعہ نسخہ راقم

کی ملکیت ہے) مصنف کے بیان سبب تالیف کے بعد داستان کا آغاز اس عنوان سے ہوتا ہے۔ ”عاشق ہونا شاہزادہ فتن کا اوپر جمال جہاں آرائے مہربانو کے کہ محض نا آشنائی روزگار تھی تنہا اور پرکشتی کے سوار جاتی تھی“۔ اس عنوان کے تحت شاہزادہ فتن کے عشق میں بے قراری اور مہربانو تک پہنچنے کی بے تابی کو ۱۰۸ اشعار میں بیان کیا گیا ہے:

کسی دن وہ خورشید رشک قمر	سر شام ساحل پہ تھا جلوہ گر
قضا کار یک کشتی خوشنا	نظر آئی پانی پہ بے ناخدا
فقط یک پری اوس پہ تھی جلوہ گر	نہ تھا دوسرا اور کوئی بشر
جھلک اپنی دکھلا کے وہ دلستاں	رواں ہو گئی مثل آب رواں
گیا بھول مچھلی مگر کا شکار	بنا آپ ہی ماہی بے قرار
وزیر شہنشاہ کا تھا اک پسر	جمیل و حسین رشک شمس و قمر
پریشان یکا یک اوسے دیکھ کر	لگا پوچھنے کہ اے شہہ بحر و بر
دل صاف کیوں آج ہے پر ملال	مکدر ہے چہرہ پریشاں ہے حال
سناؤں میں کیا اپنا حال تباہ	کسی کو نہ ہو سیر دریا کی چاہ
حسین یک پری رو فریب بشر	اکیلی تھی اوس ناؤ پر جلوہ گر
چمک دار اوڑھی تھی رنگیں ردا	فقط منہ کھلا تھا بدن تھا چھپا
دم صبح رکھتا ہوں عزم سفر	خدا جانے لے جائے گردوں کدھر
شہہ نو جواں کا وہ روشن ضمیر	حقیقت میں تھا جو انیس و مشیر
اوس دم اوٹھا رہبری کے لیے	لبوں سے کف پا پہ بوسے لیے

(ص ۹-۱۳)

عنوان ”روانہ ہونا شاہزادے کا ساتھ پسر وزیر کے مہربانو کی چاہ میں اور ملنا ملاح و نجار کا اثنائے راہ میں“۔ شاہزادہ فتن وزیر زادے کے ہمراہ مہربانو کی تلاش میں بغیر ساز و سامان سفر کے لیے روانہ ہوتا ہے۔ ابھی وہ شہر سے روانہ ہی ہوتا ہے تو ایک کوس کے فاصلے پر شاہ کے وفادار خدمت گزار ملاح اور نجار اپنا اپنا ہنر اور اپنی خدمات شاہزادے کو پیش کرتے ہیں۔ ملاح سے مہربانو کی کشتی کے متعلق دریافت پر تفصیل بتاتا ہے۔ اس اطلاع سے شاہزادے کو خوشی ہوتی ہے اور وہ ان دونوں کو بھی اپنے ہمراہ سفر میں ساتھ لے لیتا ہے۔ ان تمام حالات کو ۹۶ اشعار میں بیان کیا گیا ہے:

فقط ساتھ تھا نور چشم وزیر	کہ تھا وہ ازل سے انیس و مشیر
نہ پہونچا تھا گھر سے ابھی کوس دور	کہ ایک پیر دیرینہ آ یا نظر

پہونچ کر قریب شہمہ نوجواں
ترا کیا ہے مقصد بیان جلد کر
کہا اوس نے رو کر کہ ملاح ہوں
میں ہوں فن سے اپنے کمال آشنا
بھلا دیکھ تو غور سے آج کل
کہا اوس نے ہاں اے شہمہ نامدار
کہ کل اک پری چہرہ کشتی نشیں
کھلتی ہے نا آشنا سی مگر
جو تھا قابل صدق اوس کا بیاں
کہ اک شخص مانند گرد رواں
تمنا یہی ہے کہ یہ خاک سار
اگر حکم دیں مجھ کو شاہ جہان
سنا شہمہ نے جب یہ بیان عجیب
حقیقت میں تھی رحمت کردگار
گئی تھی جدھر کشتی دلتاں

جھکا بہر تعظیم مثل کماں
جھکاتا ہے کیوں بار بار اپنا سر
غلام شہنشاہ سیاح ہوں
ملاحی کا دم بھرتے ہیں نا خدا
گئی سطح دریا سے کیا شے نکل
قرینے سے ہوتا ہے یوں آشکار
گئی ہے برابر ادھر سے کہیں
کہ ہے نا خدا بھی نہیں ناؤ پر
نہایت ہوا خوش شہمہ نوجواں
شتابی سے آتا ہے بیدل دواں
رہے ہم رکاب شہمہ نامدار
بنا کر اسی وقت تخت روان
ہوا خوش کہ نادر ہیں مرے نصیب
کہ اک جان دو قالب ہے چار یار
ہوئے مثل آب رواں سب رواں

(ص ۱۳-۱۸)

عنوان ”دو چار ہونا شاہزادے کا پیر مرد سے صحراے خارزار میں اور ملاقی ہونا پری زاد معشوقہ منوچہر بادشاہ سے مسکن دیو بلبل جفا کار میں“ مصنف نے قصے میں واقعات کے اس طویل سلسلے کو بیان کرنے کے لیے ۲۴۹ اشعار قلم بند کیے ہیں۔ مختصر اقصے میں شامل واقعے کے مختلف حصوں کو بیان کرنے کے لیے کچھ اشعار ملاحظہ کریں:

گئے جب سفر میں کئی دن گزر
کئی دن کے بعد ایک دیرینہ سال
کرامت سے تھا خضر راہ نجات
پڑی تھی وہاں گائے اک مردہ تن
چھڑکتے ہی قالب میں جان آگئی
میجا دم اوس پیر کو جان کر

خطرناک جنگل اک آ یا نظر
نظر آیا پیر مبارک خصال
کہ پاس اوس کے تھا جام آب حیات
ستم دیدہ بوسیدہ افسردہ تن
سر نو سے پھر زندگی پا گئی
کہا سب نے کہ اے پیر فرخ سیر

مثال خضر مجھ میں عظمت کہاں
یہاں بندہ حق ہے اک پیر زن
کسی شے پہ کرتی نہیں وہ نگاہ
یہ گاؤ ستم دیدہ و خستہ تن
ضعیفی سے ہوں سخت بے دست و پا
بنے عاجزی سے جو مور ضعیف
زمین کو فلک سے ہے نسبت کہاں
ملک خصلت و پارساے زمن
فقط دودہ کھاتی ہے وقت لگاہ
ازل سے ہے پروردہ پیر زن
بنوں گا تمھارا میں کیا رہنما
ہوا مہر باں پیر مرد لطیف

(ص ۱۸-۲۰)

شاہزادے کے چاروں ساتھیوں کے ساتھ پیر مرد بھی شامل ہوا۔ چلتے چلتے وہ سب ایک اندھیرے جنگل میں ایسی جگہ پہنچے جہاں زندہ جانوروں کی بجائے جاجان کی ہڈیوں کے ڈھیر تھے۔ عجیب نحوست کا سماں تھا۔ انھوں نے پیر خضر سے پوچھا یہ کیسا بیابان ہے:

بیاں کر چکے اس طرح جب تمام
کہ ہے دیو ہلہل کا اس جا وطن
یہ سن کر کہا شہم نے اے پیر مرد
دیا پیر نے پھر جواب سخن
عجب مسکن اوس بوم کا ہے اوجاڑ
فقط ایک تدبیر سے الاکلام
کہ رہتی ہے جب تک شب ماہتاب
جو ہو تم میں فرزاند و ہوشیار
یہ سنتے ہی شاہ جوان نے وہاں
دیا پیر نے پھر جواب کلام
اسی سے نمایاں ہے ویرانہ پن
کیا چاہیے ایسے ظالم کو گرد
کہ اے نیک کردار زاہ زمن
کہیں اونچے اونچے کھڑے ہیں پہاڑ
زبوں ہوگا وہ کافر زشت کام
کسی وقت کرتا نہیں سیل خواب
دم خواب دے اوس پہ افسوں کی مار
کیا ساتھیوں سے اشارہ وہاں

(ص ۲۲-۲۴)

شاہ زادے کے ساتھیوں اور پیر مرد کسی نے بھی اس مہم پر جانے کی حامی نہ بھری لیکن وزیر زادہ فوراً اٹھا اور شاہ زادے کے قدم چوم کر تیزی سے اس جگہ روانہ ہوا جہاں دیو ہلہل سوراہا تھا۔ وہاں وہ ایک نازنین رشک حور کو نہایت بری حالت میں بیٹھا دیکھتا ہے۔ وہ پری عرصے کے بعد کسی انسان کو دیکھ کر بے ساختہ روتی ہے اور کہتی ہے کہ:

یہ ہے مسکن دیو آفت کا گھر
مقابل نہ ہو اوس جفا کیش سے
نہ تھی اس جگہ سے تجھے کیا خبر
بڑا فرق ہے گرگ اور میش سے

رہی درد سے جب بہت نوحہ خواں
کہ کس اوج خوبی کی اختر ہے تو
جو پرش تاسف سے کی بار بار
میرے شاہ کا نام ہے مینو چہر
اوٹھالایا حسرت سے مجھ کوں یہاں
اسیری میں گزرے مجھے دو برس
پری کے کہاں بال و پر پاؤں میں
کہا نوجواں نے کہ اے مہرباں
قمر ہے کہ مہر منور ہے تو
کہا رو کے اوس نے کہ اے غمگسار
فلک ہمت و غیرت ماہ و مہر
سسکتی ہوں روتی ہوں کھوتی ہوں جاں
تڑپتی ہوں مانند مرغ قفس
جو پھندے سے اوس کے نکل جاؤں میں

(ص ۲۶-۳۰)

پری وزیر زادے کو کہتی ہے کہ اس دیو کے پنچے سے چھٹکارا حاصل کرنا دشوار ہے۔ لیکن وزیر زادہ اصرار کرتا ہے کہ کوئی تدبیر بتاؤ تاکہ دیو کو ہلاک کر کے تمہیں اس قید سے رہائی دلاؤں۔ پری نے رو کر کہا یہ تدبیر بھی مشکل ہے اگر کوئی کر سکے:

مگر ہاں جو زنبور اک نیش دار
پکڑ کر اوسے ہاتھ سے بے خطر
جہاں گرمی سم کرے گی اثر
جو چھینک آگئی موت سے بچ گیا
اگر مارنا اوس کا منظور ہے
پہونچ جا دھویں کی طرح وقت شام
بھرا جس میں ہوسر بسر زہر مار
کرے شہد میں تر مع بال و پر
پگھل جائے گا شمع ساں مغز سر
قیامت کی آفت کرے گا پیا
اندھیری ہے شب چاندنی دور ہے
کہ ہو کام اوس روسیہ کا تمام

(ص ۳۰-۳۱)

وزیر زادہ بڑی دلیری سے ہلہل دیو کی خواب گاہ میں جاتا ہے اور نیش زنبور سے اس دیو کا کام تمام کر دیتا ہے اور پری سے کہتا ہے کہ وہ شاہ زادے کے پاس جا کر اس حالات سے آگاہ کرے گا:

یہ کہہ کر گیا شاہ خنداں وہاں
سنائی خبر پہلے یہ سرسری
دلا رام گلغام رنگیں کلام
بیاں کر کے وصف پری زاد جب
جہاں جلوہ گر تھا وہ شاہ جہاں
کہ ہے خانہ دیو میں یک پری
چمن روسمن بو پری زاد نام
کہا قتل دیو لعین کا سبب

ملا جا کے پہلے پری زاد سے کہ بالا تھی قامت میں شمشاد سے

(ص ۳۵-۳۶)

شاہ زادہ اپنے ساتھیوں اور زمر دپری کے ہمراہ ایک شہر میں پہنچتے ہیں جہاں ہر شے تباہ و برباد نظر آتی ہے۔ یہ دیکھ کر پریشاں ہو جاتے ہیں:

عبت آ کے شہر خموشاں میں ہم
پھرے جب بہت چار سو در بدر
مگر تھا سراپا اوجاڑ اس قدر
محل اپنا پہچان کر وہ نگار
جب اس طرح غم سے رشک قمر
اویں دم شہنشاہ گردوں سریر
پکڑ کر رہ غمگساری سے ہاتھ
در آ یا پھر اک قصر زیر نگاہ
جواہر میں سر تا پا غرق تھا
پڑا اوس پہ تھا اک جواں مردہ تن
وہیں کا تھا وہ شاہ دار و حشم
اویں کی تھی بیگم یہ زہرہ جبین
وہ لاشا جواں تخت پر دیکھ کر
اوٹھائیں جب آہیں دم سرد سے
کہ بہر خدا اب کرم کی نظر
یہ سنتے ہی وہ خضر عیسیٰ خصال
دیا جیسے پانی بدن پہ چھڑک

(ص ۴۳-۴۶)

شاہ منوچہر جب ہوش میں آتا ہے تو اسے شاہ زادے کی جدوجہد کا پتا چلتا ہے جس کے لیے وہ اس کا شکر گزار ہوتا ہے۔ پیر خضر نے محل کی تمام چیزوں پر آب حیات کا چھڑکاؤ کیا۔ محل کی تمام اشیاء، چمن و پھلواری، کنیزیں، غلام اور پہرے دار سپاہی سب اپنی پہلی حالت پر آ جاتے ہیں۔ شاہ منوچہر اور زمر دپری دونوں خوش ہو جاتے ہیں۔ پری بتاتی ہے کہ یہ

بربادی بلبل دیو کی وجہ سے عمل میں آئی ہے۔ اس نے سارے محل کو اجاڑا اور اسے گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ غرض کہ اب سب کے دن رات عیش و عشرت میں کھتے ہیں۔ شاہزادہ فتن کی دل جوئی کے لیے راگ و رنگ کی محفل کا انتظام ہوتا ہے۔ (راگ کی تمام قسموں کا بیان ۱۱ اشعار میں ص ۵۵ پر ہے) اس کے بعد پری مہربانو کی تلاش کا قصد کرتی ہے۔ اس مقصد کے لیے ایک کٹنی کو مقرر کرتی ہے۔ وہ کٹنی حسن آباد پہنچتی ہے۔ مالن بن کر مہربانو کے محل تک رسائی حاصل کر کے واپس آ کر شاہ کو بتاتی ہے۔ شاہ زادہ فتن سفر کے لیے تیار فوراً چلنے کا ارادہ کرتا ہے۔ پری زاد روکتی ہے اور مچھلی کے شکار کی دعوت دیتی ہے۔ اتفاقاً ایک بڑی مچھلی ہاتھ آتی ہے۔ جب اس کا پیٹ چاک کرتے ہیں تو ایک جواہر سے بھری پازیب نکلتی ہے۔ اسے وہ سب خوش بختی کی نشانی قرار دیتے ہیں۔ شاہزادہ فتن اپنے ساتھوں کے ساتھ حسن آباد روانہ ہوتا ہے۔ اسی اثنا میں کٹنی باغبان کی بیوی سے مل کر اسے مہربانو کے پاس لے جانے کا کہتی ہے لیکن وہ کہتی ہے کہ:

کیا پھر یہ افسردگی سے بیاں	وہ کیفیت اگلی یہاں اب کہاں
کہ اک روز بجرے پہ وہ گلزار	سر شام ہوتی تھی تنہا سوار
مرصع جوہر سے خلخال زر	جو پہنی تھی پاؤں میں سیمبر
خدا جانے اوس دم تھا کیا اضطراب	ہوئی چھوٹ کر یک بیک غرق آب
اب اوس دن سے تنگ تراست قدر	کہ کرتی نہیں سوئے دریا نظر
جوہر جو تھے اوس میں ناباب تھے	حقیقت میں مہر جہاں تاب تھے
کئی دن سے چپ ہے وہ غنچہ دہن	یہ کیا ذکر منہ سے نکالے سخن
جو خلخال مل جائے غم بھول جائے	خوشی سے ابھی مثل گل پھول جائے

(ص ۶۴-۶۵)

شاہ زادہ فتن اور اس کے ساتھی جنگلوں بیابانوں میں پھرتے پھرتے حسن آباد شہر کے باہر ٹھہرتے ہیں اور آپس میں صلاح مشورہ کر کے پیر خضر کو بادشاہ کے پاس بھیجتے ہیں تاکہ وہ شاہزادہ فتن کی طرف سے مہربانو سے شادی کا پیغام دے سکے:

غرض اوس کو سمجھا کے وقت لگا	روانہ کیا جانب بار گاہ
جہاں جلوہ آرا تھا پدر صنم	گیا مثل پیک صبا صبح دم
مکاں پر جو ٹھیری تھی باہم صلاح	ادا اوس نے کی سب بطرز فلاح
جب آب بقا سامنے رکھ دیا	لگے کہنے سب مرجبا مرجبا
اویں وقت ارکان شاہ زمن	اوٹھا لائے یک ماہی خستہ تن
دیا جیسے اوس پر وہ پانی چھڑک	اوچھلنے لگیں فرش پر بے دھڑک

بڑھی جب نگاہوں میں توقیر پیر
 پھر شام مغرب کی پڑھ کر نماز
 پیام خضر جب ہوا دل نشیں
 ہوا مستعد دل سے پدر صنم
 معطر گلوں سے تھا ہر دم دماغ
 کئی دن رہے جب خوشی سے وہاں
 وزیر خرد و ر کا اب کام ہے
 دم صبح کل جا کے دربار میں
 کہ اک دن تھا دریا پہ شاہ فتن
 مگر تھی یوہیں خواہش کردگار
 نہ پہنچا کسی جانور کو ضرر
 کیا چاک طبخ نے جب شکم
 پڑی میرے شہہ کی جواوس پر نظر
 کہ ہے جو فلاں شاہ عالی ظہور
 اوس کا یہ مال دل افروز ہے
 بحکم خدا اوس کو لائے ہیں ہم
 لیا نام خلخال کا جس گھڑی
 خبر دے گیا تھا یہی پیشتر
 جو آئے ہیں ساتھ اون کو بلوائے
 ادھر گیا خوش شہہ نوجواں
 کھلا ذکر شادی جو دربار میں
 شہہ نو کو باصد تجمل تمام
 بیٹھا کر سر انجمن شمع وار
 اوٹھا غلغل تہنیت چار سو
 بنی جب عروس مہ آ سماں
 جھکے ہر طرف سے امیر و وزیر
 ہوا شہہ سے رخصت بجز و نیاز
 عقیدت سے سب لوگ لائے یقیں
 لگی ہونے تیاری جشن جم
 ادھر قصر شاہی ادھر چار باغ
 ہوئے پھر بہم اس طرح ہم زباں
 کہ وہ زیرک و خوش سرانجام ہے
 بیان یوں کرے شہہ سے اظہار میں
 وہ مار نہنگان پہ ناوک فگن
 یکا یک جو چھوڑا مگر کا شکار
 پھنسی دام میں ایک مچھلی مگر
 نکل آئی خلخال اک برق دم
 نہایت ہوا شادماں دیکھ کر
 مہ آ سماں پایہ یعنی حضور
 ترے واسطے برق جاں سوز ہے
 کلیجہ سے اب تک لگائے ہیں ہم
 ہوئی باد شاہ کو مسرت بڑی
 کہ آئے گا اک شاہ فرخ سیر
 فرح بخش میں جا کے بٹھلائے
 لگا ہونے ساماں شادی وہاں
 ہوا مشتہر سارے بازار میں
 پھرے لے کے تا درگہ بار عام
 کیا عہد عقد صنم اوستوار
 بر آئی دل شاہ کی آ رزو
 رخ برق دم سے فروغ جہاں

جی چرخ پر کھکشان کی بہار چراغوں سے عالم ہوا لالا زار

(ص ۶۸-۷۶)

شادی کے بعد شاہ زاد افتن مہربانو کو حسن آباد سے لے کر اپنے شہر فتن کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ راستے میں بادشاہ ہشتنگ کے سپاہی حملہ آور ہوتے ہیں اور سارا مال و متاع لوٹ کر بادشاہ کی ایما پر کٹنی کے ذریعے مہربانو کو اغوا کر لیتے ہیں۔ مہربانو بادشاہ ہوشنگ کے پاس بڑی عقلمندی سے پہلے بادشاہ کی تعریف کرتی ہے اور یہ کہہ کر کہ بادشاہ کے ملنے کی منت پوری کرنے کا بہانہ کر کے ایک ماہ عبادت کرنے کی اجازت لے لیتی ہے۔ بادشاہ یہ سوچ کر اجازت دے دیتا ہے کہ اس کے سخت پہرے سے نکل کر مہربانو کا جانا مشکل ہے۔ مہربانو اپنی نگرانی میں ایک مسافر خانہ تیار کرواتی ہے جس میں مسافروں کی دیکھ بھال کے علاوہ روزانہ ٹھہرنے والے مسافروں کی تفصیلی فہرست بھی اسے پیش کی جاتی ہے۔ اودھر شاہ زادہ فتن حیران پریشان مہربانو کی تلاش میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلتا ہے اور عرصہ دراز کے بعد پھرتے پھرتے اس شہر میں پہنچ جاتے ہیں جہاں مہربانو کا قائم کردہ مسافر خانہ ہے۔ مسافر خانے میں پہنچ کر معلوم کرنے پر پتا چلتا ہے کہ یہ مہربانو کی زیر سرپرستی قائم ہے۔ الغرض قصہ مختصر شاہ زادہ اپنی اگلی مہربانو تک پہنچا دیتا ہے تاکہ مہربانو وہاں سے نکلنے کے لیے تیار ہو سکے۔ شاہ زادے کا نجار ساتھی ایک اڑن کھٹولا بناتا ہے جس کی مدد سے شاہ زادہ مہربانو کے پاس پہنچتا ہے اور اسے اپنے ساتھ لے کر شہر فتن روانہ ہو جاتا ہے اور داستان ختم ہو جاتی ہے۔

مثنوی سوز عاشقانہ:

بھگونت رائے راحت نے مثنوی سوز عاشقانہ لکھی۔ ہمارے دو تذکرہ نگار جن میں تذکرہ ہندوؤں میں اردو مرتب سید رفیق مارہروی اور تذکرہ خمخانہ جاوید مرتب لالہ سری رام ہیں انھوں نے راحت کی دیگر مثنویوں کے ساتھ سوز عاشقانہ کو راحت سے منسوب کیا ہے۔ ان دونوں نے اس مثنوی کے منتخب اشعار بھی دیے ہیں ۵۵۔ لیکن اس مثنوی کے متعلق کئی ضروری معلومات حاصل نہیں ہوئیں کہ یہ مثنوی کل کتنے اشعار پر مشتمل ہے؟ اور اس کی سال تصنیف اور سبب تالیف کیا ہیں؟ وغیرہ دستیاب منتخب اشعار میں سے چند پیش ہیں:

مظہر عشق یا خدا ہو دل	مصور صدمہ جفا ہو دل
کوچہ عشق کا ہو رسوائی	روئے زیبا کا ہو تماشاکی
ایسا سوز دروں سے ہو بیتاب	غم سے بن جائے ملائی بے آب
دامن دشت میں اڑائے خاک	بے کلی سے کرے گریباں چاک
الغرض عشق ہو تر ا یارب	اپنا سودائی تو بنا یارب
طاقت زور عشق دل پر دے	بے پروا ہوں مجھے پر دے

جب تلک اپنے تن میں جان رہے رات دن بس ترا خیال رہے
دل میں اس لطف سے سما جائے جس طرف دیکھوں تو نظر آئے
عاشق زار اب ترا ہوں میں ترے کوچہ کا بس گدا ہوں میں
رانگاں کر نہ میری محنت کو ذوق دے اپنے غم سے راحت کو

(ص ۱۲۰، ۳۱۱)

بھگونت رائے راحت کی تمام دستیاب قلمی اور مطبوعہ تصنیفات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں یہ دریافت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ راحت کی ان ناباب مثنویوں کے ماخذ کیا ہیں؟ اور راحت سے پہلے فارسی اور اردو کے کن فاضل شعر اور نثر نگاروں نے ان تمام قصوں کو اپنے شعری حسن و نثری طرز ادا سے کلاسیکی ادبی ذخیرے میں اضافہ کیا۔ راحت کی تصنیف و تالیف کردہ مثنویوں کے تجزیے، ان کے شعری سرمائے کا انتخاب، منظوم قصوں کی کلاسیکی روایت کے ادبی سفر میں راحت کے تجربات اور ضروری حوالہ جات کے ساتھ ان سے متعلق فارسی اور اردو کے قدیم ذخیروں کی دستیاب فہرست بھی شامل ہے۔

حوالہ جات:

- ۱۔ کاکوری، بھگونت رائے راحت، ۲۶ دسمبر ۱۸۹۸ء، مثنوی نل دمن، مطبوعہ کانپور، نول کشور، ص ۳
- ۲۔ رام، لالہ سری، ۱۹۱۷ء، تذکرہ خمخانہ جاوید، جلد سوم، دلی پرنٹنگ پریس، دہلی، ص ۳۱۰-۳۱۱
- ۳۔ صدیقی، ابواللیث، ڈاکٹر، ۱۹۶۷ء، لکھنوکا دبستان شاعری، اردو مرکز، لاہور، ص ۵۳۰
- ۴۔ لکھنوی، خواجہ عبدالرؤف، ۱۹۳۱ء، ہندو شعرا، نامی پریس، لکھنؤ، ص ۶۱
- ۵۔ مارہروی، سید رفیق، ۱۹۵۸ء، مرتبہ ہندوؤں میں اردو، لکھنؤ، ص ۱۲۰
- ۶۔ رام، ص ۳۱۰
- ۷۔ سری واسنتو، زیندر بہادر، ڈاکٹر، ستمبر ۱۹۸۳ء، ہندوؤں کا فارسی ادب میں یوگدان، بار دوم، نامی پریس، لکھنؤ، ص ۱۲۵
- ۸۔ کاکوری، بھگونت رائے راحت، اگست، ۱۸۹۹ء، بار اول، مثنوی غنیمت معروف بہ نگارستان راحت، نامی پریس، لکھنؤ، ص ۳
- ۹۔ محمد باقر، ڈاکٹر، اگست ۱۹۷۲ء، اردو کے قدیم دکن اور پنجاب میں، مطبوعہ پنجابی ادبی اکیڈمی پریس، لاہور، ص ۱۲۲
- ۱۰۔ سری واسنتو، ص ۱۲۵
- ۱۱۔ لکھنوی، ص ۶۱
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۱۲۰
- ۱۳۔ کاکوری، بھگونت رائے راحت، مارچ ۱۸۸۰ء، قصہ شاہزادہ فتن (بوستان راحت)، نول کشور، لکھنؤ، ص ۱۲۱-۱۲۲

- ۱۴۔ ایضاً، ص ۱۲۷-۱۲۹
- ۱۵۔ محمد باقر، ص ۱۲۲
- ۱۶۔ کاکوروی، بھگونت رائے راحت، مارچ ۱۸۸۰ء، ص ۱۳۸-۱۳۲
- ۱۷۔ پرشاد، لالہ دہی، ۱۸۸۵ء، تذکرہ آثار شعرائے ہند، مطبع رضوی، دہلی ص ۶۳
- ۱۸۔ لکھنوی، ص ۶۱
- ۱۹۔ مارہروی، ص ۱۴۰
- ۲۰۔ رام، جلد سوم، ص ۳۱۱
- ۲۱۔ فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر، ۱۹۷۱ء، اردو کی منظوم داستانیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ص ۴۳۰
- ۲۲۔ نارنگ، گوپی چند، ڈاکٹر، ۲۰۰۳ء، ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۵۰
- ۲۳۔ محمد باقر، ص ۱۲۲
- ۲۴۔ رضوی، سید جمیل احمد، ۱۹۸۶ء، ذخیرہ شیرانی میں اردو مخطوطات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص ۱۲-۲۳-۲۶
- ۲۵۔ قلمی نسخہ، مخزن پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ورق ۳۶
- ۲۶۔ ایضاً، ورق ۳۶
- ۲۷۔ ایضاً، ورق ۳۶
- ۲۸۔ قلمی نسخہ، زہرہ وہیہ رام، از صدیق، مملوکہ انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد ششم، مرتبہ افسر امر وہی، کراچی ۱۹۸۲ء، ص ۱۹۱-۹۲
- ۲۹۔ رضوی، سرفراز علی، ۱۹۰۷ء، فارسی مخطوطات، مرتبہ: انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ص ۸۴
- ۳۰۔ قلمی نسخہ، زہرہ وہیہ رام، از صدیق، ص ۱۹۱
- ۳۱۔ رضوی، ذخیرہ شیرانی میں اردو مخطوطات، ص ۲۴
- ۳۲۔ نارنگ، ص ۳۷
- ۳۳۔ ایضاً، ص ۳۹-۴۱
- ۳۴۔ رضوی، سرفراز علی، ۱۹۶۷ء، مخطوطات انجمن (فارسی و عربی)، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ص ۷۸
- ۳۵۔ نوشاہی، سید عارف، ۱۹۸۳ء، تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ص ۶۵۸
- ۳۶۔ انجم، شہناز، ڈاکٹر، ۱۹۸۵ء، اردو ادبی نشر کا ارتقا، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، ص ۱۸۲
- ۳۷۔ اورینٹل کالج میگزین (ضمیمہ)، نومبر ۱۹۴۲ء، ص ۸۲-۹۸
- ۳۸۔ ناسخ، عبدالغفور، اکتوبر ۱۹۷۴ء، تذکرہ سخن شعرا، نول کشور، لکھنؤ، ص ۱۷۵
- ۳۹۔ بخاری، سہیل، ڈاکٹر، ۱۹۸۵ء، ہندی شاعری میں مسلمانوں کا حصہ، مکتبہ اسلوب، کراچی، ص ۴۳
- ۴۰۔ ایضاً، ص ۴۲
- ۴۱۔ امر وہی، افسر صدیقی، ۱۹۷۸ء، مرتبہ: مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان، جلد پنجم، کراچی، ص ۲۲۳
- ۴۲۔ نارنگ، ص ۹۵-۹۷

- ۴۳۔ چند، گیان، ڈاکٹر، ۱۹۶۷ء، اردو کی نثری داستانیں، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ص ۲۲۱-۲۲۲
- ۴۴۔ نارنگ، ص ۹۷
- ۴۵۔ ایضاً، ص ۱۰۳
- ۴۶۔ اثر، محمد علی، ڈاکٹر، ۱۹۸۶ء، دکنی و دکنیات (وضاحتی کتابیات)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص ۲۱
- ۴۷۔ لکھنوی، ص ۶۱
- ۴۸۔ کاکوروی، بھگونت رائے راحت، مارچ ۱۸۸۰ء، ص ۶
- ۴۹۔ بخاری، ص ۴۳
- ۵۰۔ اخلاص، کشن چند، ۱۹۷۳ء، تذکرہ ہمیشہ بہار (تذکرہ شعرائے فارسی)، مرتبہ: ڈاکٹر وحید قریشی، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ص ۱۸۲
- ۵۱۔ رضوی، سرفراز علی، ۱۹۶۷ء، ص ۷۷-۷۸
- ۵۲۔ نجم الاسلام، ڈاکٹر، ۱۹۹۱ء، سندھی ادبی بوژد جام شور کے مخطوطات، مشمولہ: تحقیق، پانچواں شمارہ، شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی، ص ۱۱۸
- ۵۳۔ نوشاہی، سید عارف، ۱۹۸۳ء، فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی موزہ ملی پاکستان، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، کراچی، ص ۶۶۰
- ۵۴۔ کاکوروی، بھگونت رائے راحت، مارچ ۱۸۸۰ء، ص ۱۲۷
- ۵۵۔ مارہروی، ص ۱۴۰؛ لالہ، ص ۳۱۱

Abstract

Tracing the early works of Mathnavi in Urdu, this article introduces some of the rare works of Mathnavi by Bhagwat Rai Rahat coupled with the brief biography of the poet. Mentioning the plot of the works of Rahat, the article reveals the works are not original. His works are either translated or adapted from Persian. The article discusses the Mathnavi works of the poet and indicating where are these works archived. The article mentions works of similar plots along with their publications details.

Keywords: Urdu Mathnavi, Bhagwat Rai Rahat, translation and adaptation